ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ
۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ۔ لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

پڑوسی کا حق

عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِجَارِہٖ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ کے واسطہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کوئی بندہ پورا مومن نہ ہوگا۔ جب تک اپنے پڑوسی کے لیے بہ وہ شے پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری مسلم)

حل الفاظ جار یعنی پڑوسی عام ہے۔ کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ پڑوس مکان کی ہر جانب سے چالیس گھر تک بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ سے نقل ہے۔ کہ جہاں تک آواز پہنچ سکے۔ اور بعض علمار نے لکھا ہے۔ جو مسجد میں صبح کی نماز میں آسکے۔ اور حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا تھا۔ کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ کس کو ہدیہ بھیجا کروں فرمایا جس کا دروازہ قریب ہو۔ (بخاری)

مایحب۔ جو پسند کرے کہ یہاں عام رکھا ہے۔ مگر نسائی کی حدیث میں من الخیر بھی ہے۔ یعنی جو نیکیاں اپنے لیے پسند کرتا ہو وہ اس کے لئے پسند کرے۔ اس لیے عبادتیں اور تمام جائز کام اس میں داخل ہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے۔ کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جس کا صرف ایک حق ہے وہ غیر مسلم ہے۔ اس کے لئے صرف پڑوس کا حق ہے دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں۔ وہ مسلمان ہے۔ ایک حق پڑوس کا دوسرا اسلام کا تیسرا وہ جس کے تین حق ہیں وہ مسلمان رشتہ دار ہے۔ ایک حق پڑوس کا دوسرا اسلام کا تیسرا صلہ رحمی کا۔

غیر مسلم کے لیے اسلام میں داخل ہونا پسند کرنا اور ایمان کے بعد جن جن منافع کی خود کو امید ہے اس کے لیے پسند کرنا ہے۔ اور تکلیف نہ دینا اور جو بات سب کو عام ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہر نیک بات کی ان کے لیے خواہش رکھنا اچھی باتوں کی نصیحت کرنا ہدایت واصلاح کی دعا کرنا۔ تکلیف کو ان سے ہٹانا ان کی لغزشوں کی پردہ پوشی کرنا۔

تشریح ظاہر حدیث میں لایؤمن سے کہ ایمان والا ہی نہ ہوگا۔ مگر ان آیتوں اور حدیثوں کی وجہ سے جن سے مسلمانوں کا ہمیشہ کو جنت میں جانا اور بقدر گناہ سزا پا کر جانا ثابت ہے۔ سب علمار امت نے پورا مومن نہ ہونا مراد لیا ہے۔ کیونکہ سب کے نزدیک شریعت کے احکام سے یہ ثابت ہے کہ ایسا نہ کرنے والا اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ مسلم شریف کی حدیث میں لِاَخِیْہِ اَوْلِجَارِہٖ (اپنے بھائی یا پڑوسی) کے لیے ہے۔ اور بخاری کی ایک حدیث میں صرف لِاَخِیْہِ (اپنے بھائی کے لیے) ہے۔ جو مسلمانوں کے ساتھ خاص معلوم ہوتا ہے۔ مگر پڑوسی کا لفظ جن حدیثوں میں ہے۔ ان سے ہر پڑوسی کا حق بھی ثابت ہوگا۔ اور مسلمان بھائی کا دوگنا اور مسلمان عزیز کا تین گنا۔

سوال یہ ہے کہ یہ تو بہت دشوار ہے۔ کہ پڑوسی کے لیے بھی وہ دولت و ثروت اور تمام نظام معیشت کا آدمی انتظام کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔ تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث میں ایسے کام کر دینے کا حکم نہیں بلکہ حکم یہ ہے۔ جو جو اچھی اچھی باتیں اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے لیے پسند کرے اور یہ اس طرح ہے کہ اس میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کرے اس سے حسد نہ کرے اس سے جلے نہیں بلکہ امداد دیدے۔

ایک بات یہ بھی حدیث شریف سے سمجھ لینی ہے۔ کہ اگر کسی پڑوسی سے دشمنی ہو رنجش ہو تو ابھی اس کا پڑوس کا حق ساقط نہ ہوگا۔ آپ اپنی طرف سے تمام حقوق کے ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اس کی پروا نہ کی جائے کہ وہ بھی ادا کرتا ہے۔ یا نہیں کیونکہ اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ آپ نہیں۔ یہ وہ راز ہے۔ جس سے آپس میں کا جنگ وجدل سب ختم ہو جاتا ہے۔

سب سے بڑے گناہ

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّھُوَ خَلَقَکَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّاْکُلَ مَعَکَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِکَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے۔ فرمایا کہ تم اللہ تعالےٰ کیساتھ شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو اس ڈر سے کہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ میں نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ بخاری مسلم۔

حل الفاظ ندّ اصل میں مشابہ کو کہتے ہیں۔ ذات میں یا کسی صفت میں کسی کو مشابہ قرار دینا۔ شرک کرنا ہے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ حلیلۃ حلال کی ہوئی یعنی بیوی۔

تشریح قرآن شریف میں ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا (اور تم اللہ تعالےٰ کے لیے مشابہ وشریک مقرر نہ کرو) اس لیے یہ سب سے بڑا گناہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ مشرک کو معاف ہی نہ فرمائیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ کسی ایک صفت میں بھی کسی بڑے سے بڑے انسان یا فرشتے کو شریک قرار دینا ناقابل معافی گناہ عظیم ہے۔ وَھُوَ خَلَقَکَ حالانکہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ ایک کھلی دلیل عطا فرما دی ہے۔ کہ سب جانتے ہیں۔ تمہارے پیدا کرنے میں کوئی اس کا مشابہ و شریک نہیں ہے۔ تو دوسری صفتوں میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ جب سب سے اوّل کے کام کی صفت میں کوئی شریک نہیں اور یہی بھی نہیں اولاد کو قتل کرنے سے قرآن شریف میں منع فرمایا ہے یہاں اس کا درجہ بتایا ہے۔ کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک تو اس میں مسلمان کا بے گناہ قتل ہے۔ دوسرے اولاد اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس امانت میں خیانت ہے۔ تیسرے رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھا ہے۔ اس خوف سے کہ کھائے گی کہاں سے قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی رازقیت میں شک کرنا ہے۔ جو کفر کے قریب ہے۔ اسی بنار پر آج جو بعض لوگ ضبط تولید کو رواج دے رہے ہیں۔ وہاں بھی خدا تعالیٰ کی رازقیت پر اعتراض ہے۔ اس وجہ سے وہ گناہ بن جاتا ہے۔ اور پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے سے اس کا درجہ بڑھا ہوا فرمایا گیا اور شرک کے بعد کا اس پر بھی غور کیا جائے۔ پڑوسی کی بیوی سے زنا میں بھی اوّل تو خود زنا ہی شدید ترین گناہ ہے پھر عورت کو خاوند کے لیے خراب کرنا ہے۔ اور دوسرے کی طرف دل کو مائل کرنا پھر پڑوسی کے بہت حق ہیں۔ وہ سب اسی میں فوت کئے جا رہے ہیں۔ اور پڑوسی تو حقوق کی وجہ سے اس کا امیدوار تھا کہ اس سے ہر تکلیف و مصیبت کو دفع کیا جائے گا۔ اور اس کے بیوی بچوں سے بھی تکلیف دور کی جائے گی اور ان کی حفاظت و نگرانی کی جائے گی۔ گویا اس کو سب کے لیے امانت دار قرار دیتا تھا۔ یہ سب کی خیانت ہوگئی اس لیے بہ نسبت اوروں سے یہ سخت ہوگا۔ دوسرے نسخہ میں تُزَانِیَ کا لفظ ہے یعنی یہ اور پڑوسن دونوں زنا میں مبتلا ہوں۔

اس میں معلوم ہوا کہ اس کی مرضی میں بھی یہ اتنا ہی سخت جرم ہے۔

★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ — لاہور

خدام الدین

ٹیلیفون نمبر: ۶۷۵۴۵
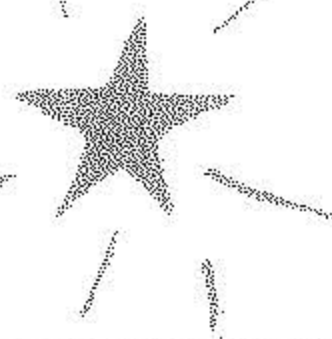
جلد ۱۴ | ۹ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء | شمارہ ۴۷

اسمبلیوں کے انتخابات پارٹی پروگراموں کے تحت کرائے جائیں

پاکستان میں رائج سرمایہ دارانہ نظام کا اسلام کے نظامِ معیشت سے کوئی تعلق نہیں

”جمعیۃ العلمائے اسلام“ اسلام کا معاشی نظام مرتب کر رہی ہے

جمعیۃ العلمائے اسلام کے ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی محمود کی پریس کانفرنس

لاہور ۲۲ مارچ۔ مولانا مفتی محمود احمد ناظم جمعیۃ علماء اسلام نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ ملک میں صحیح قسم کی جمہوریت کے قیام کے لئے اسمبلیوں کے انتخابات پارٹی پروگراموں کے اصول پر منعقد کرائے جائیں۔ سیاسی پارٹیاں اپنا اپنا امیدوار کھڑا کرنے کی بجائے اپنا اپنا منشور عوام کے سامنے پیش کریں اور رائے دہندگان جس پارٹی کے منشور سے اتفاق کریں اس کے حق میں ووٹ دیں۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ ہر پارٹی اپنے حاصل کردہ ووٹوں کے تناسب سے اسمبلیوں میں اپنے نمائندے بھیجے۔ مفتی محمود احمد نے کہا کہ انتخابات کا مجوزہ طریقہ اختیار کئے بغیر ملک سے سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرکے اسلام کا نظامِ معیشت رائج کرنا سخت مشکل ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر اعلان کیا کہ جمعیۃ علماء اسلام ملک کے موجودہ معاشی مسائل کے پیشِ نظر کتاب و سنت اور فقہ کی روشنی میں اسلام کا نظامِ معیشت مرتب کر رہی ہے۔ یہ نظامِ معیشت جمعیت کی مقرر کردہ چھ رکنی کمیٹی مرتب کر رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کام اگلے ماہ کے آخر تک مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد جمعیۃ کے زیرِ اہتمام ملک میں مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کی کنونشن بلائی جائے گی اور اس جمعیۃ کے اسلامی نظامِ معیشت کی منظوری حاصل کی جائے گی۔

حضرت مفتی صاحب نے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ سرمایہ داری کی بنیاد پر پاکستان میں رائج الوقت نظامِ معیشت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام ایسی سرمایہ داری کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔ اس وقت اصل ہدف یہی سرمایہ دارانہ نظام ہے جسے ہم اسلام کے نظامِ معیشت سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے سوشلزم کے ذریعے تبدیل کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارا ووٹ اسلام کے حق میں ہے سوشلزم کے حق میں نہیں۔ اس لئے کہ اسلام کے نظامِ معیشت کی بنیاد مذہب ہے۔ اس طرح اسلام کے نظامِ معیشت کی بنیاد تعمیر ہے اور سوشلزم کی بنیاد تخریب ہے۔ آج یہاں جمعیۃ علماء

آج یہاں جمعیۃ علماء اسلام کے دفتر میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مفتی محمود نے بتایا کہ جمعیت نے اسلام کے نظامِ معیشت کی تفصیلات مرتب کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی ہوئی ہے وہ ۱۵ اپریل سے اپنا کام شروع کرکے دو تین ہفتوں میں اسے ختم کر لے گی اور اس کے بعد ہر مکتبِ فکر نمائندہ علماء کا ایک کنونشن بلایا جائے گا جس میں یہ تجاویز پیش کی جائیں گی۔ تاکہ علماء سے مشورہ لیا جا سکے۔ آپ نے کہا کہ ہم کتاب و سنت اور اسلامی نقطۂ نظر کی روشنی میں یہ خاکہ مرتب کریں گے۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ چھ رکنی کمیٹی میری صدارت میں کام کرے گی۔

آپ نے یہ اعلان بھی کیا کہ چند باتیں ایسی ہیں جو مختلف فیہ نہیں ہیں اور ان پر عمل درآمد میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آنی چاہئے یہ اصول حسبِ ذیل ہیں۔ (۱) بنجر اور غیر آباد اراضی کے آبادکار مزارعین کو مالک قرار دیا جائے گا (۲) فرنگی دور کی جاگیریں، انعامات و مراعات جو حق الخدمت میں دی گئی ہیں وہ سب واپس لے لی جائیں گی (۳) وہ کارخانے جو ناجائز ذرائع سے قائم کئے گئے ہیں قومی ملکیت میں لے لئے جائیں گے (۴) حکومت، پاکستان کے ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم کی خود کفیل ہوگی اور چھوٹے ملازمین کو لازماً اتنی تنخواہ دینی ہوگی جس سے ان کی ضروریات پوری ہو جائیں (۵) حکومت پر لازم ہوگا کہ وہ اشیاءِ ضرورت کی قیمتیں ایسی سطح پر رکھے جو عوام کی قوتِ خرید سے بالا نہ ہوں۔

ناجائز ذرائع سے قائم ہونے والے کارخانوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ انہیں حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عام لوگ لوٹ مار کریں۔ ہم اس طریقِ کار کو غلط سمجھتے ہیں اور اس کی ہرگز تائید نہیں کرتے اس لئے کہ انارکی اور لاقانونیت پھیلتی ہے۔ ان کارخانوں کو واپس لینے کا کام حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلام میں انارکی کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے عوام کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ لوٹ مار کریں۔ مفتی صاحب نے ایک اخباری نمائندے کے اس موقف سے اتفاق کیا کہ بعض لوگ اسلام کے نام جاگیرداری کا تحفظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ عملاً اسلام کے پیروکار نہیں ہوتے۔ اسی طرح بعض

۴-۱ ایسے لوگ سوشلزم کا پرچار کر رہے ہیں جو خود سرمایہ دار ہیں ——— (مفتی صاحب کے ارشادات پر اداریہ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

خلیفۂ ثانی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

- ان کی سیاست مساواتِ انسانی کی جیتی جاگتی تصویر تھی
- انہوں نے مملکت کے نبوّی خاکہ میں رنگ بھر دیا
- انہوں نے اپنی ذات کو تنقید سے بالاتر نہیں رکھا

خالد محمود

موجودہ زمانے کو اپنی ان ترقیوں پر بڑا ناز ہے جنہوں نے سیاسی مساوات (مغربی جمہوریت) اور دولت کی مساوی تقسیم (کمیونزم) کی صورت میں صنعتی انقلاب اور انقلابِ فرانس کے ابطان سے جنم لیا ہے۔ کوئی ان پر کتنا ہی ناز کیوں نہ کرے لیکن گذشتہ دو تین صدیوں کے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نظام اپنی جگہ مکمل نہیں۔ چنانچہ ایک مکمل نظام کو معرضِ وجود میں لانے کے لئے ان دونوں کا ایک ملغوبہ تیار کیا گیا ہے اور اسے فلاحی مملکت کا نام دیا گیا ہے اگر فلاحی مملکت کا تصوّر ہی جدید ذہن کا مایہ ناز ہے تو پھر اس پر ناز کا زیادہ حق مسلمانوں کو حاصل ہے جنہوں نے آج سے چودہ صدیاں پہلے اسلام کی صورت میں سیاسی، معاشرتی اور معاشی مساوات کا ایک ایسا نظام پیش کیا تھا جس نے انسانی افکار و اعمال کو بدل کر رکھ دیا۔ آج ہم مسلمانوں کی اس عظیم شخصیت کا ایک ہزار تین سو پچیسواں یوم وفات منا رہے ہیں جس نے موجودہ اصطلاحات کے مطابق بدترین قبائلی اور جاگیرداری دور میں ایک ایسا نظامِ حکومت قائم کیا تھا جس پر اکیلے مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت جتنا بھی فخر کرے بجا ہے۔ ان دنوں پاکستان میں جو فضا پیدا ہو گئی ہے۔ اس میں اس بطلِ عظیم کی سیرت و سوانح کا مطالعہ دل و دماغ کو نئی روشنی عطا کر سکتا ہے۔

ابتدائی حالات

قریش کی ایک شاخ بنو عدی کے نام سے مشہور ہے۔ سفارت اور نام نسب کے جھگڑوں کا فیصلہ خاندان عدی کے سپرد تھا۔ حضرت عمرؓ اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد خطاب کے گھر پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت ہجرت سے چالیس سال قبل (۵۸۲ء) میں ہوئی۔ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ ذرا ہوش سنبھالا تو نسب دانی سپہ گیری، پہلوانی اور مقرری کی تعلیم حاصل کی اور پھر ان تمام علوم و فنون میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ اسی زمانے میں لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ یہ خصوصیت ایسی تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ اس کے بعد آپ تجارت پر متوجہ ہوئے اور ایک تاجر کی حیثیت میں عراق اور شام کی سیاحت کی۔ انہوں نے اوائل جوانی ہی میں اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی کہ قریش کا منصب سفارت ان کے سپرد کر دیا گیا۔

حضرت عمرؓ کا خاندان توحید کے تصوّر سے آشنا تھا۔ ان کے چچازاد بھائی زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی بت پرستی کی علانیہ مخالفت شروع کر دی تھی۔ جس کی پاداش میں خطاب نے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دین ابراہیمی کی طرف پکارا تو ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں زید کے بیٹے سعید بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ کی بہن حضرتِ فاطمہؓ کی شادی سعید بن زید سے ہوئی تھی اور ان کے زیر اثر وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے موحدین کی مخالفت اپنے باپ کے ورثہ میں پائی تھی۔ اس لئے ان کے خاندان میں جس کسی نے اسلام قبول کیا وہ حضرت عمرؓ کے جور و ستم کا نشانہ بنا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ اپنی تمام سختیوں کے باوجود ایک بھی مسلمان کو سیدھی راہ سے نہ ہٹا سکے تو بانیٔ اسلامؐ کے درپے آزار ہوئے۔ ایک دن تلوار لے کر نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیں۔ لیکن راستہ میں کسی نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نپٹنے سے پہلے اپنی بہن اور بہنوئی سے نپٹو جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اپنی بہن کے گھر پہنچے جو اس وقت تلاوتِ کلام پاک میں مشغول تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئے۔ بہن نے روتے ہوئے کہا "عمرؓ! جو دل میں آئے کر گذرو لیکن ہم اسلام سے باز نہیں آئیں گے" اس جملے اور بہن کی حالت زار نے حضرت عمرؓ کے دل و دماغ پر عجیب اثر کیا فرمایا۔ تم لوگ جو کچھ پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ کلام الٰہی نے حضرت عمرؓ کو مجبور کر دیا کہ دعوتِ حق کو قبول کر لیں۔ چنانچہ اس وقت اور اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اس وقت تک مسلمان اپنے مذہبی فرائض چھپ چھپا کر ادا کرتے تھے۔ لیکن حضرتِ عمرؓ کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی حالت بدل گئی اور مسلمانوں نے جا کر خانہ کعبہ میں نماز ادا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرتِ عمرؓ کو فاروق کا خطاب عطا کیا۔

کفارِ مکہ کو تو اسلام کی خفیہ دعوت بھی منظور نہ تھی لیکن جب علی الاعلان اس کی دعوت دی جانے لگی تو ان کے مظالم سہ چند ہو گئے۔ اس پر ہجرت کا حکم ہوا۔ مہاجرین میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ میں تشریف لے آئے تو حضرت عمرؓ کی تجویز پر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کی خاطر اذان کا طریقہ رائج کیا گیا۔ بدر کے معرکہ میں حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ اسلام کے ساتھ ان کی محبت و شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ

فاروق اعظمؓ کا تاریخ ساز کردار ہمیشہ روشنی عطا کرتا رہے گا

اپنے ہاتھوں سے اپنے ماموں عاصی بن ہشام کو قتل کیا۔ احد کے معرکہ میں بھی حضرت عمرؓ نے بڑی جانبازی دکھائی۔ اسی سال حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں خیبر کی جنگ اور واقعہ حدیبیہ میں بھی آپؓ ہادیِ برحقؐ کے ہمرکاب تھے۔ حدیبیہ میں جب معاہدہ قلمبند ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور پھر یہ اعتراض تلخی کی صورت اختیار کر گیا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ معاہدہ خدا کے حکم کے عین مطابق ہے۔ حضرت عمرؓ کو سخت ندامت ہوئی۔ اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نفل پڑھے، خیرات دی اور غلام آزاد کئے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج میں بھی ہمرکاب تھے۔ حج سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عمرؓ پر عجیب حالت طاری ہو گئی۔ جوش میں آکر یہ اعلان کیا کہ "جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے میں اس کو قتل کر دوں گا" آخر آپ نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس فتنے کو ختم کر دیا جو اسلام کے لئے خطرے کا موجب بن سکتا تھا۔ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ جمادی الثانی ۱۳ ھ (اگست ۶۳۴ء) میں فوت ہوتے تو عنانِ خلافت حضرت عمرؓ نے سنبھالی۔

فتوحات

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد میں عراق اور شام کی فتح کے لئے جو مہمیں روانہ کی گئی تھیں انہوں نے حضرت عمرؓ کے عہد میں مکمل کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایرانی قوت سے ٹکر لینے کا بھی فیصلہ کیا۔ اکثر لوگ ایرانیوں کے مقابل جانے سے ہچکچاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ایک پرجوش خطبے کے ذریعے مسلمانوں کو اس مہم کے لئے آمادہ کیا۔ ابوعبید ثقفی کی قیادت میں ایک لشکر اس مہم پر بھیجا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد مثنیٰؓ نے مہم کو جاری رکھا اور بالآخر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاتھوں مشرق کی سب سے بڑی سلطنت پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس کے بعد مختلف لڑائیوں کے بعد اسلامی سلطنت کی مشرقی سرحد بلوچستان اور مکران تک وسیع ہو گئی اس کے ساتھ ہی شام میں مسلمانوں کی پیش قدمی جاری رہی اور یرموک کے میدان میں اس کا فیصلہ بھی مسلمانوں کے حق میں ہو گیا۔ ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں عمرو بن العاص کے ہاتھوں بیت المقدس کی فتح سے فلسطین بھی مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا۔ حضرت عمرؓ معاہدہ فتح کی تکمیل کے لئے خود بیت المقدس تشریف لے گئے اور حضرت بلالؓ سے درخواست کی کہ وہ قبلۂ اوّل میں اذان دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت بلالؓ نے پہلی مرتبہ اذان دے کر عہد نبویؐ کی یاد تازہ کر کے تمام صحابہ کرامؓ کو رلا دیا۔ ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں سکندریہ کی فتح سے مصر پر بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ یوں اسلامی سلطنت کا دائرہ بلوچستان سے لے کر بحیرہ روم تک وسیع ہو گیا۔

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ (۳ نومبر ۶۴۴ء) کو حضرت عمرؓ نماز فجر کی امامت کے لئے مسجد نبویؐ میں تشریف لائے تو مغیرہ بن شعبہ کے غلام فیروز (ابولولو) نے جو گھات لگائے بیٹھا تھا خنجر سے حملہ کر کے چھ وار کئے جن سے حضرت عمرؓ سخت زخمی ہو گئے۔ مسلمان قاتل کو پکڑنے کے لئے دوڑے، قاتل نے چند اور لوگوں کو بھی زخمی کر دیا۔ لیکن بالآخر جب اس پر پوری طرح قابو پا لیا گیا تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے قاتل کا پوچھا۔ معلوم ہوا تو فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو" چند دن کے علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے اجازت دے دی تو اپنے فرزند سے فرمایا کہ اس اجازت کو قطعی مت سمجھنا۔ میرے وصال کے بعد دوبارہ اجازت طلب کرنا اور اگر آپؓ تب بھی مان جائیں تو مجھے وہاں دفن کرنا ورنہ نہیں۔ اس کے بعد آپؓ نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے ایک مجلس مشاورت نامزد کی اور پھر اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا کہ ان پر کتنا قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا۔ اگر وہ بھی پورا نہ کر سکے تو پھر قریش سے درخواست کرنا لیکن قریش کے سوا کسی کو تکلیف نہ دینا۔ یہ قرض ان کا مکان بیچ کر اتار دیا گیا۔ قاتلانہ حملہ کے تیسرے دن حضرت عمرؓ خالق حقیقی سے جا ملے۔ یکم محرم ۲۴ھ (۷ نومبر ۶۴۴ء) کو تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے بعد جن علاقوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا اسے حضرت عمرؓ نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ حضرت عمرؓ کی رحلت کے وقت اسلامی سلطنت کا دائرہ بائیس لاکھ اکیاون ہزار مربع میل پر محیط تھا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے بنفس نفیس کسی لڑائی میں حصہ نہیں لیا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ آپؓ اپنے تمام جرنیلوں کو ایک جان خود بناتے تھے۔ اسی مرکزیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید جیسے جرنیل کی معزولی بھی اسلامی سپاہ کی پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکی۔ مسلمانوں سے پہلے جتنے بھی فاتحین نے کشور کشائی کی تھی، اس میں بے رحمانہ تشدد ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ مگر حضرت عمرؓ اس ہتھیار کو فوج کی روانگی سے پہلے ہی توڑ دیتے تھے۔ میدان جنگ کے سوا کہیں بھی کسی کو قتل نہ کیا جا سکتا تھا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ تک اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ دشمن سے بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ جو لوگ اطاعت قبول کرنے کے بعد بھی بغاوت کر دیتے تھے ان کے لئے معافی کا در کھلا رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سلطنت کے مختلف حصوں پر چھاؤنیاں تیار کرائیں، فوجیوں کے لئے قواعد و ضوابط

مرتب کرائے اور کڑا فوجی نظم و نسق قائم کیا۔ یہی اسباب تھے کہ اس زمانے کی کوئی بھی قوم مسلمانوں کے قدم آگے بڑھنے سے نہ روک سکی۔

نظامِ حکومت

حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے ایک عمدہ نظامِ حکومت قائم کیا۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کا جو خاکہ مرتب فرمایا تھا اسے حقیقت میں منقلب کرنے کا سہرا حضرت عمر فاروقؓ کے سر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی حکومت کا آئین کتاب و سنت کو قرار دیا۔ اس آئین پر عمل کرنے کی وجہ سے اسلامی حکومت زمانہ ماسبق کی تمام حکومتوں سے علیحدہ اور ممتاز ہو گئی۔ اس سے پہلی حکومتوں کی بنیاد شخصی حکومت تھی لیکن اسلام نے اس کی جگہ اجتماعی حکومت کا نظام رائج کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اہم معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورے لے کر مشاورت کی روح پیدا کر دی تھی۔ قانون کی نظر میں آقا اور غلام امیر اور غریب، شریف اور رذیل سب کو برابر کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کی حکومت دنیا کی پہلی جمہوری حکومت تھی جس میں سلطنت کے تمام امور عوام کے صلاح و مشورہ سے طے کئے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ اکثر امور میں ایک خاص مجلس مشاورت سے رجوع کرتے تھے جس میں اظہار خیال کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ تاہم اگر ضرورت پیش آتی تھی تو منادی کے ذریعے تمام مہاجرین و انصار کو مسجد میں بلایا جاتا اور حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر بحث طلب مسئلہ اس جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کر دیتے اور ہر شخص کی رائے طلب کرتے۔ پھر عام صلاح مشورے سے جو فیصلہ ہوتا اس پر کاربند ہوتے۔ تاہم اگر کبھی ایسی صورت پیش آجاتی کہ عوام ان کا نقطۂ نظر سمجھنے میں ناکام رہتے یعنی ان کی رائے عوام کی رائے سے مختلف ہوتی تب آپ مسلسل دلائل پیش کرتے رہتے تا آنکہ لوگوں کو ان کی بات سمجھ میں آجاتی۔ مثلاً ایران کی فتح کے بعد جب یہ مسئلہ پیش ہوا کہ مفتوح زمین فاتحین میں بانٹ دی جائے یا موجودہ مالکوں کے قبضے ہی میں رہنے دی جائے۔ تو اس پر چار روز تک بحث ہوتی رہی۔ بالآخر حضرت عمرؓ کی رائے مانی

گورنروں کا سالانہ محاسبہ ان کا معمول تھا

لی گئی اور وقت نے اس رائے کی عمدگی ثابت کر دی۔ حضرت عمرؓ کا قول تھا کہ "مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں"۔

حضرت عمرؓ اپنے تمام ماتحت عمال کو بھی دانشمندوں سے مشورے لینے کی تاکید فرماتے تھے بلکہ بعض مواقع پر تو آپ نے عوام ہی کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ اپنے صوبجاتی یا اضلاعی حاکم خود منتخب کر لیں۔ حضرت عمرؓ جمہوریت کے اس قدر قائل تھے کہ انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص جیسے صحابی اور فاتح کو عوام کی شکایات پر کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔

اظہارِ خیال کی آزادی

موجودہ زمانے کو تقریر و تحریر کی آزادی پر آزادی پر ناز ہے۔ لیکن بنی نوع انسان کو یہ آزادی بھی اسلام ہی نے عطا کی ہے۔ حضرت عمرؓ عوام کی اس آزادی کو بے حد عزیز رکھتے تھے بلکہ حد تو یہ ہے کہ خود اپنی ذات پر تنقید کو نہ صرف برداشت کرتے تھے بلکہ عوام کو اس کی تحریک بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کئی مرتبہ کہا "اے عمرؓ! خدا سے ڈر"۔ حاضرین میں سے کسی نے اسے ٹوکنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا "نہیں اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ کچھ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم نہ مانیں تو ہم بے مصرف ہیں"۔ حضرت عمرؓ کی طرف حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ عوام سرِعام اعتراضات کر سکتے تھے کہ آپؓ نے یہ کرتہ کیسے بنوایا؟ حضرت عمرؓ اس اعتراض کا جواب ہی نہیں دیتے بلکہ شہادت بھی پیش کر کے اپنی بریت ظاہر کرتے ہیں۔ مرد تو مرد عورتیں بھی حضرت عمرؓ پر اعلانیہ تنقید کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آپؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے کہ ایک خاتون نے ٹوک دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا اعتراض سنا۔ اسے درست مانتے ہوئے فرمایا "ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے"۔

آج کی دنیا کا ترقی پسند آئین بھی سربراہ مملکت پر تنقید کا حق نہیں دیتا یا اس حق کو محدود و مشروط بنا دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ عام معاملات میں سربراہ مملکت اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ متعدد مواقع پر آپ ملزم کے طور پر عدالت میں پیش ہوئے اور اپنی بریت کو ثابت کرنے کے لئے شہادتیں پیش کیں۔ اگر کسی قاضی نے ان کی شخصیت اور مرتبے کا لحاظ کرنا چاہا تو اسے اس "ظلم" سے روک دیا۔

حضرت عمرؓ کے اس طرزِ عمل کے باعث جو حکومت وجود میں آئی اس کی نظیر آج تک کوئی نظام یا کوئی بھی قوم پیش نہیں کر سکی۔

حکومت کی تنظیم

پاکستان کی طرح بیشتر ممالک میں آج بھی جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات ایک ہی افسر کے سپرد ہوتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی بالغ نظری کا اندازہ اسی بات سے لگائیے کہ انہوں نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ان عہدوں کو علیحدہ کر دیا تھا۔ اسی طرح اور بھی کئی شعبوں میں تخصیص پیدا کی۔ اسلامی حکومت کی تنظیم نو کے ضمن میں حضرت عمرؓ نے پہلا اقدام تو یہ کیا کہ ممالک مقبوضہ کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر صوبے کا حاکم اعلیٰ "والی" کہلاتا تھا۔ ایک کاتب یا میر منشی ہوتا تھا جسے آج کی اصطلاح میں چیف سیکرٹری کہہ لیجئے ایک کاتب دیوان یعنی فوج کا میر منشی ہوتا تھا۔ مالیہ کی وصولی کے لئے صاحب الخراج (کلکٹر) ہوتا تھا۔ پھر ایک احداث یعنی انسپکٹر جنرل پولیس۔ صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ۔ قاضی یعنی چیف جسٹس۔ ہر صوبے میں ایک فوجی افسر یعنی گریزن کمانڈر ہوتا تھا تاہم بعض جگہ ان عہدوں کو یکجا بھی کر دیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ ہمیشہ مناسب عہدوں کے لئے موزوں امیدواروں کو انتخاب کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کی نظر انتخاب معزز صحابہ کرامؓ پر پڑتی تھی لیکن وہ لوگ ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد و تقدس کے خلاف خیال کرتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ حجۃ الوداع

تعمیر انسانیت کے اصولوں، حقوق انسانی کے تحفظ منصوبوں،

عالمی امن کی تدبیروں اور قانون الٰہی کی بالادستی

کے ضابطوں کا لازوال مجموعہ

چودھری نذیر احمد خان صدر محبانِ عالمِ اسلامی

گزشتہ سے پیوستہ

اگر کوئی صاحب اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ نبی امیؐ کی تعلیم نے تو غلامی کا قطعی خاتمہ نہ کیا اور یو۔ این۔ او نے کر دیا۔ تو ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضورؐ نے اپنی تعلیم پر خود عمل فرما کر دنیا کے سامنے ایک عملی نمونہ تو پیش کر دیا تھا۔ لیکن اقوام متحدہ کے منشور کے اعلان کرنے والوں میں شمالی امریکہ روڈیشیا جنوب مغربی افریقہ اور جنوبی افریقہ میں رنگدار قوموں سے جو سلوک کیا جاتا ہے، وہ اب بھی غلاموں کے سلوک سے کم نہیں ہے۔

ابھی پچھلے ماہ یو۔ این۔ او کے ایک ذمہ دار افسر ڈاکٹر منوچہر گینجی نے ایک رپورٹ یو۔ این۔ او کی حقوق انسانی کی کمیٹی کو پیش کی ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں "روڈیشیا، جنوبی افریقہ اور جنوب مغربی افریقہ میں رنگدار قومیں ایسی غلامی کی حالت میں رہتی ہیں، جس کو بین الاقوامی معاہدات کی رو سے قطعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر گینجی GENJI پچھلے سال عالمی امن بذریعہ قانون کے اجلاس منعقدہ جنیوا میں حقوق انسانی کی کمیٹی کے راپورٹر (RAPPORTEUR) تھے جس کی صدارت کا اعزاز مجھے حاصل ہے۔ آپ ایک نامور ایرانی ہیں جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ اور یو۔ این۔ او کے سیکرٹریٹ کے ایک اعلےٰ افسر ہیں۔

یو۔ این۔ او میں جو حشر اس رپورٹ کا ہو گا وہ ظاہر ہے۔ کسی نہ کسی طرح کسی فارمولا کسی تجویز کے ذریعے اسے خوبصورتی کے ساتھ داخل دفتر کر دیا جائے گا۔

"سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری"

نمبر۵۔ حضورؐ نے زمانۂ جاہلیت کی سب رسمیں یک قلم بند کر دیں اس زمانے کے تمام خون معاف کر دیئے، سُود چھوڑ دیا۔

یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟

باپ کے قتل کا بدلہ، بیٹے اور اہل خاندان سے لیا جاتا تھا۔ مغلوبوں پر طرح طرح کا عذاب روا رکھا جاتا تھا۔ جب کسی مفتوح کی جان و مال و آبرو محفوظ نہ ہوتی تھی۔

اس وقت یہ رحمدلانہ سلوک جو حضورؐ نے کل تک کے خون کے پیاسے دشمنوں سے روا رکھا ایک معجزہ نہیں تو کیا ہے۔ اور اگر درسِ انسانیت کی تکمیل نہیں تو اور کیا نام آپ اس حسن سلوک کے لئے تجویز کریں گے۔

کیا مجال کہ فتح مکہ کے وقت یا حضورؐ کے ورودِ مسعود کے وقت کسی کافر کو کوئی گزند پہنچا ہو۔

یو۔ این۔ او کے منشور کے آرٹیکل نمبر۵ میں ظالمانہ سلوک کے خلاف اعلان ہے۔ محض اعلان۔ یہاں رحمت اللعالمین کا اسوۂ حسنہ ہے۔ بین اور عملی ثبوت

"چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک"

میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب اس صدی کی دوسری جنگ عظیم میں جرمن افواج نے روسی علاقہ میں پیش قدمی کی تو درندگی کے اور مظاہروں کے علاوہ جو سلوک مفتوحہ علاقے کی عورتوں سے روا رکھا گیا وہ انسانیت کے نام پہ ایک بدنما داغ ہے۔

پھر جب تقدیر نے پانسہ پلٹا اور روسی فوجیں یلغار کرتی ہوئی برلن کے محاصرہ پہ آ دھمکیں تو بڑی بوڑھی جرمن عورتیں بھی پستول یا زُود اثر زہر کی گولیاں ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھیں۔

قانون وراثت کے نفاذ میں جو مصلحتیں پنہاں ہیں ان پر مفصل تبصرہ کے لئے ایک مدت درکار ہے مختصر یہ کہ اولاد کے ساتھ منصفانہ سلوک اور تقسیم زر کے اصول اس میں کارفرما ہیں۔

ہر شخص کو اس کے اعمال کا ذمہ دار قرار دے کر حضورؐ نے تکمیل انسانیت کی بنیاد رکھ دی اور پھر ہم پہ یہ احسان عظیم کیا کہ تا قیامت صراط مستقیم دکھانے کے لئے کتاب اللہ کی چھوڑی۔ جس پہ عمل کر کے مسلمان دنیا و دین کی سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سرچشمۂ ہدایت قرآن حکیم کی تعلیمات سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ہماری ناکامیوں اور رسوائیوں کی یہی بڑی وجہ ہے۔ حکیم الامت نے اس کی نشاندہی کی تھی۔

یہ بند صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآں نہ گیری
بہ آیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یاسین او آساں بمیری

میرا یہ دعویٰ ہے۔ اور یہ دعویٰ کسی حد تک مطالعہ اور مقابلہ پہ مبنی ہے کہ عالمی امن، بنیادی حقوق انسانی کے تحفظ، عدل و انصاف، مروت اور حسن سلوک کے بارے میں جو ہدایت نامہ حضورؐ کے آخری خطبۂ حج میں ملتا ہے دنیا کی کسی اور دستاویز اور کسی اور منشور میں نہیں ملتا۔

اس ضمن میں مجھے چند ایک گذارشات کرنی ہیں:۔

غیر مسلموں نے اسلام دشمنی کی بناء پر شروع شروع میں حیات النبیؐ لکھتے وقت دنیا کی سب سے بڑی ہستی پر وہ الزام لگائے جو اب تحقیق سے سب غلط ثابت ہو چکے ہیں اب وہ لوگ یہ روش چھوڑ کر حضورؐ کی سیرت لکھتے وقت عظمت رسولؐ کے قائل تو نظر آتے ہیں لیکن تشکیک اور شبہات کے ذریعے غلط فہمی پھیلا کر گمراہی پیدا کرنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔

خیر ان کو تو چھوڑیئے۔ خود مسلمان مصنفین اور مورخین نے بھی پیغمبر اسلام کے متعلق جتنی کتابیں لکھی ہیں وہ زیادہ تر مسلمانوں کے لئے ہیں۔ ان بزرگوں کی قابل قدر خدمات سے سرورِ کائنات کی حیات طیبہ کے واقعات سے مسلمان کا ایمان تازہ اور پختہ تو ہوتا ہے لیکن ان کی تصانیف میں حالات حاضرہ کے متعلق تعلیمات کی اہمیت اور افادیت پر زور نہیں دیا جاتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب جو کتابیں سیرت النبیؐ پہ لکھی جائیں ان میں ان پہلوؤں پہ زیادہ روشنی ڈالی جائے تاکہ وہ لوگ بھی جو دلائل اور شواہد

کے قائل ہیں۔ جو علم کو عشق پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس بات پر یقین لے آئیں کہ جدید زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بھی حضورؐ کی تعلیمات سے بہتر مشعل ہدایت انسان کو میسّر نہیں آسکتی۔

میری گزارش یہ ہے کہ درس قرآن مجید اور اس نئی طرز کی سیرت النبیؐ ہمارے نصاب تعلیم کا لازمی جزو قرار دی جائیں۔

قرآن حکیم کی تعلیمات اور اس ہادیٔ برحق اس محسن اعظم رحمت اللعالمین کی پاک زندگی کے نور کی موجودگی میں ہمیں "ٹمٹماتے چراغوں" کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

"صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس"

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی ممالک نے اس نکتے کی طرف توجہ نہیں دی اور ہر بادشاہ یا بادشاہ نما سربراہ مملکت، اپنی ذات کو بلند تر ظاہر کرنے کی عبث کوشش میں عوام کی صلاحیتیں بگاڑ رہا ہے۔ صاف و شفاف چشمہ کے پانی میں گدلا پانی ملانے سے نقصان ہی ہو گا۔ فائدہ نہیں ہو سکتا اگر ہم نے دنیا و دین میں سرخروئی حاصل کرنی ہے تو حکیم الامت کے اس قول کو حرز جان بنایئے۔

کی محمدؐ سے وفا، تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اور آج اسی برگزیدہ اور سچے اور پیارے نبی محمدؐ، جس کا نام لیتے وقت ہونٹ بوسہ دیتے ہیں، آج اسی رحمت اللعالمینؐ کی آخری آرامگاہ گنبد خضرا۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

دنیائے اسلام کا دوسرا بڑا مرکز اسرائیلی بدباطنوں کی زد میں ہے۔ انہوں نے ہمارا قبلۂ اول ہم سے لے لیا اور ہم کچھ نہیں کر سکے، نہ کچھ کر رہے ہیں۔ اب وہ بدبخت مدینہ منورہ کی تاک میں ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یثرب ہمارا ہے خیبر ہمارا تھا، تمہارے نبیؐ نے ہمیں یہاں سے نکالا اور یثرب کو مدینۃ النبیؐ قرار دیا۔ ہم نے اس کو نہیں چھوڑنا۔

میں مدت سے پکار رہا ہوں کہ حالات بد سے بد تر ہو رہے ہیں اور ہم خواب غفلت میں پڑے ہیں کہیں جشن منانے جا رہے ہیں تو کہیں راگ رنگ کی محفلیں ترتیب دی جا رہی ہیں۔ یاد رکھو کہ اس وقت مسلمان کا سوائے اس کے اللہ اور اس کے رسول کے کوئی اور حامی نہیں ہے نہ سامراجی اس کے دوست ہیں نہ اشتراکی اس کے خیر خواہ ہیں۔ یہودی، ہندو، غرضیکہ تمام غیر مسلم اس کے مخالف ہیں اگر کوئی پختہ اتحاد ہو سکتا ہے تو بین المسلمین ہی ہو سکتا ہے اس وقت تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض اولین ہے کہ اپنے مراکز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی محافظت کے لئے تن من دھن قربان کر دیں سعودی حکومت پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کو چاہئے کہ تمام مسلمان ممالک سے مدد حاصل کرے اور خود اپنے "سیال سونے" تیل، کو سامانِ مدافعت پر صرف کرکے غیر مسلموں کے ارادوں کو ناکام بنا دے اسلام کے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

ارشاداتِ مجالسِ ذکر

از: حضرت شیخ التفسیر سیدنا و مولانا احمد علی لاہوریؒ —— مرتبہ: محمد مقبول عالم بی اے لاہور

"نہیں ملتے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں!"

۱۶ نومبر سنہ ۱۹۶۱ء جمعرات

دو اذکار

ذکر کے بعد آپ نے یہ اذکار تلقین فرمائے:-

۱- درود شریف جس میں صلوٰۃ اور سلام ہو وہ مکمل ہے۔ مثلاً صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ وسلّم۔ بعض لمبے درود شریف ہیں اور بعض چھوٹے۔ مگر وہ درود شریف پڑھیں جس میں صلوٰۃ و سلام ہو۔ ایک دفعہ درود شریف پڑھنے سے دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔

۲- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ایک دفعہ پڑھنے سے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سو گناہ معاف ہوتے ہیں اور دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے۔

ان وظائف کے لئے وضو شرط نہیں ہے۔ اتنے گناہ تو کوئی نہیں کرتا۔ جتنے معاف ہو سکتے ہیں۔ زندگی میں جنّت بڑی سستی ہے۔ بشرطیکہ کوئی لینے والا ہو، لیکن مرنے کے بعد کسی قیمت پر نہیں مل سکے گی۔

۱۴ دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء جمعرات

حق دار کا حق ادا کرنا

ذکر کے بعد فرمایا:

اسلام کا خلاصہ ہے اِیْتَاءُ کُلِّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ۔ یعنی ہر ایک حقدار کو اس کا پورا حق ادا کرنا — میں ثواب کے لئے نہیں، آپ کو عذاب سے بچانے کے لئے کہتا ہوں کہ حقداروں کا حق ادا کریں۔ اس معاملے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ سب سے نمبر اوّل حق اللہ کا ہے، پھر اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس کے بعد دوسروں کے حقوق ہیں۔ ان میں ماں باپ مافوق ہیں، اولاد ماتحت اور بیوی مساوی ہے۔ سب کے حق ادا کریں۔ ماں باپ کی اطاعت اور خدمت کریں، بیوی کو خوش رکھیں، ظلم نہ کریں، اُسے دین سکھائیں، ورنہ ان کے گناہوں میں آپ کا حصہ ہوگا، وہ بھی جہنم میں جائیں گے اور آپ بھی۔ بلکہ آپ کے بعد دوگنا عذاب دینے کے لئے کہیں گے کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں گمراہ کیا۔

اسی طرح جانوروں کے بھی حق ہیں۔ گائے کو باندھ رکھا، پانی نہ پلایا تو وہ بد دعا دے گی۔ سب سے ڈریں۔ بلّی سے بھی ڈریں۔ اگر اس کا حق ادا نہ کیا تو وہ بھی جہنم میں لے جا سکتی ہے۔ اکثر لوگ حقوق کی ادائیگی کی پرواہ نہیں کرتے اور حق تلفی کرتے ہیں۔ اولاد مانگنا آسان ہے لیکن اس کی تربیت کرنا بڑا مشکل ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اولاد کو دین سکھائیں۔ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔

قرآن بذاتِ خود ایک مکمل دستور العمل ہے
اس میں
کسی اِزم کی مطلق گنجائش نہیں ہے

ایم عبدالرحمان لودھیانوی، شیخوپورہ

سیاسیاتِ اسلام

اسلام سیاسیات میں مذہبی حیثیت سے اپنے تمام متقدم و متأخر مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے تو انہیں کسی غیر ملک کے قانون کا محتاج ہونا نہیں پڑا۔ قرآن میں ہر چیز موجود تھی جس کا اعتراف تمام فضلائے یورپ کو ہے اور نہ بھی ہوتا تو تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے پاس ڈیڑھ صدی تک ایک قرآن کے سوا کوئی اور کتاب نہ تھی۔ صرف اسی کی مدد سے انہوں نے تاتار سے لے کر مراکش و ہسپانیہ تک فرمانروائی کی اور فرمانروائی بھی ایسی کامیاب اور اتنی اعلیٰ کہ اپنے پرائے سب آج تک انگشت بدنداں ہیں۔

بندوبستِ اراضی، محاصل و لگان کے تعین، وصولئے خراج کے دستور، غیر اقوام سے معاہدوں کے اصول، آئینِ جنگ، قیدیوں اور سامانِ جنگ کے رکھ رکھاؤ، دیوانی اور فوجداری مقدمات کے طریقے، امن و انتظام کے فروغ، عمّال کے عزل و نصب کے آئین وغیرہ سب قرآن ہی سے اخذ کئے۔ اس کے لئے خود پیشوائے اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں اپنے عمل و آئین سے اپنے پیروؤں کے لئے ایسے نمونے قائم کر گئے اور ایسے عملی اصول بتا گئے جن سے آج عرب تو عرب، مہذب دنیا بھی سبق حاصل کر سکتی ہے۔ یہ چیز، یہ معجزہ اور یہ کارروائی آپ کو اسلام اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گی۔ اسلام نے بتا دیا تھا کہ قانونِ ربانی ہے۔ کہ وہ اپنے نیک اعمال اور شریف بندوں کو دنیا میں سلطنتِ عالم کے لئے اپنی نیابت و خلافت کا شرف عطا کیا کرتا ہے تاکہ اس کے قانون اور الٰہی دستور العمل کے مطابق بندوں پر حکمرانی کریں۔ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (پ ۱۷ س انبیاء آیت ۱۰۵) ترجمہ: بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

حکومت کے آئین و قوانین

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا کہ حکومت کا ڈھانچہ کیسا قائم ہونا چاہئے۔ حکومت کی شکل بھی بتا دی کہ وہ جمہوری ہو اور جو خلیفہ یا فرمانروا بنایا جائے وہ رائے عامہ اور جمہور عامہ کی رضا مندی سے بنایا جائے اور سب سے بیعت لی جائے۔ کن زمینوں سے عشر لیا جائے اور کن قطعات میں کیا محصول عائد کیا جائے، جہاد و جنگ کے طریقوں اور تدبیروں پر بھی روشنی ڈال دی۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ دشمنوں سے عہدہ برآ ہونے کی کیا صورت ہے، کن حالات میں صلح و معاہدہ کیا جائے۔ جو لوگ محکوم ہو کر رعیتِ اسلام بننے کا شرف حاصل کر سکیں ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ کیا خراج لیا جائے؟ پھر جزیہ و خراج کی توضیح بھی کر دی کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اور کیوں عائد کیا گیا ہے؟ دشمنوں کی ذہنیت عموماً کیا ہوتی ہے اور مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو چوکنا رہنے، اپنی سرحدی چھاؤنیوں پر گھوڑے، اونٹ اور سامانِ جنگ امکانی طور پر ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ۔ (پ ۱۰۔ سورہ انفال آیت ۶۰)

قرآن نے فرمانرواؤں کی اطاعت پر زور دیا۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پ ۵۔ س النساء آیت ۵۹)

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہاں تک فرما دیا تھا کہ اگر تم پر کوئی ادنیٰ درجہ کا حبشی بھی حکمران ہو جائے تو اس کی بھی پوری پوری اطاعت کرو۔ قتل، چوری، ڈکیتی، زنا، سب و شتم اور تہمتِ زنا و سیجواری کی سزائیں قرآنِ پاک میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

اسلام نے قاتل کی قتل ہی نہیں رکھی بلکہ ورثائے مقتول کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ معاف کر دیں خواہ معاوضہ لے لیں اور خواہ قتل کرا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیں ـــــ یہی صورت ضربِ شدید اور ضربِ خفیف و نقصان رسانی کی ہے۔ ضرر اٹھانے والے کو اختیار ہے کہ وہ معاف کر دے یا قصاص طلب کرے ـــــ اسلام میں چوری کی انتہائی سزا میں ہاتھ کا کاٹنا ہے۔ اسلام میں ڈکیتی اور زنا سب سے بڑے اور سنگین جرم ہیں۔ ڈاکو بالعموم جان و مال کو لوٹتا ہے اور زانی متاعِ ناموس کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ شرفا ننگ و ناموس کو جان سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ اگر زانی یا زانیہ شادی شدہ ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے۔ اگر وہ کنوارے ہیں تو پورے سو کوڑے لگائے جائیں خواہ ان کوڑوں کی ضربات سے زندہ رہیں یا فوت ہو جائیں۔ اگر دو گواہوں کی شہادت سے اتہامِ زنا ثابت ہو جائے تو اسی کوڑے تہمت لگانے والے کو لگائے جائیں گے۔ شراب خوری بھی اسلام میں سخت ہے۔ اس کے لئے اس کی بھی سزا سخت رکھی گئی ہے یعنی اسی کوڑے شراب خور کو بھی لگائے جائیں گے۔

اسلام کے عہد میں تو ایک جداگانہ محکمہ احتساب قائم تھا۔ جو غدر کے وقت تک قائم رہا۔ جس کا کام یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو نواہی کے ارتکاب سے بجبر روکتا رہے اور عبادات و اطاعت پر مجبور کرتا تھا۔

اسلامی جمہوریت اور اشتراکیت

سوشلزم کی تین بنیادی خصوصیات ہیں (۱) آزادی (۲) مساوات اور (۳) اخوت۔ یہ تمام خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ادارے اور سوسائٹی کو عطا کیں۔

آزادی — ہر مسلمان کو اصولاً مکمل آزادی حاصل ہے اور خدا کے سوا کسی اور سے خائف نہیں اور نہ خدا کے سوا کسی کے حکم کا بندہ ہے، خدا کے سوا نہ کسی اور کا سہارا ہے نہ مدد ایک مسلمان خدا کے سوا کسی دوسرے کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ عرب کے صحرائی خدا کے سوا بھلا کسی اور سے کیوں ڈرنے والے تھے وہ ہوا کی طرح آزاد اور بے باک تھے۔

مساوات — جہاں تک مساوات کا تعلق ہے تمام مسلمان خواہ ایشیا کے ہوں یا یورپ کے، یا افریقہ کے، خواہ سیاہ ہوں یا بھورے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں — اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (پ ۲۶ س حجرات آیت ۱۰) امیر ہوں یا غریب، بادشاہ ہوں یا رعایا، سرمایہ دار ہوں یا ادنیٰ مزدور، سب مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ اسلام کے زرّیں اصول لاثانی ہیں — جب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قائم کئے تو یکایک صدیوں کی خانہ جنگیاں دور ہوئیں۔ اجنبی دوست ہوئے۔ دوست رشتہ داروں سے بڑھ گئے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال پر خلافت کا طرۂ امتیاز ایک صحابیؓ کے سر رہا۔ سوسائٹی میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ رنگ و ملّت کی تفریق اس طرح جاتی رہی کہ حبش کے اکثر غلام مسلمانوں کے مقتدر رہنما اور اسلام کے تین برگزیدہ صحابی حسنؓ، بلالؓ اور صہیبؓ تین مختلف جگہوں یعنی بصرہ، حبش اور روم کے باشندے تھے۔ سلمانؓ صہیبؓ اور بلالؓ سب کے سب غلام رہ چکے تھے۔ لیکن رسولؐ کی بارگاہ میں رؤسائے قریش سے کم نہ تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود اپنے غلام زید بن حارث سے اور ان کے لڑکے اسامہ بن زید کو جنگی مہموں میں امیر مقرر فرمایا اور جلیل القدر صحابیوں کو ان کے ماتحت رکھا۔ غلاموں اور معزز خاندانوں کے درمیان شادیاں ہوئیں اور ان کی اولاد عزت و احترام سے دیکھی گئی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی حقیقی پھوپھی کی لڑکی زینب کو اپنے غلام زید بن حارث سے بپاہ دیا۔

اسلام نے جو تعلیم منصفانہ غلاموں کے متعلق دی ہے اس کی نظیر کوئی قوم کسی زمانہ میں پیش نہ کر سکی۔ اور نہ کر سکتی ہے۔ اور اس تاریخی شہادت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ غلاموں نے ہندوستان پر ۸۶ برس تک مسلسل حکومت کی۔ دہلی کا قطب مینار اب تک بطور یادگار استادہ ہے۔

ایشیا اور افریقہ میں سینکڑوں اور لاکھوں کی تعداد میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے وہ ہرگز جبر اور دباؤ سے نہیں بلکہ بطیب خاطر ایک خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے۔ اس مساوات کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام مسلمان قوم ایک ہی روح اور ایک ہی قالب سمجھی جاتی تھی۔ مساوات کے تخیل کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان الفاظ میں پیش کیا۔ تمام مسلمان قوم ایک جسم ہے اگر سر میں درد ہو تو تمام جسم میں درد محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آنکھ میں درد محسوس ہو تو تمام جسم درد محسوس کرتا ہے۔ مسلمان اس تعمیر کے مشابہ ہیں جس کو تمام حصوں سے تقویت اور سہارا پہنچ رہا ہے۔

اخوت — مسلمانوں کی اخوت نہایت حیرت انگیز تھی ان میں آپس کی برادرانہ محبت بالکل حقیقی بھائیوں کی سی تھی۔ قرآن میں واضح طور پر ذکر ہے کہ اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی اور اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو ساری دنیا کا مال بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکتا تھا لیکن اللہ نے آپس میں محبت پیدا کر دی۔ (س الانفال)

احادیث نبویؐ — ۱۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں ان کو ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی انہیں ایک دوسرے کی مدد سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور نہ ایک دوسرے کو نفرت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

۲۔ نیکی کی جگہ دل ہے اور جس دل میں نیکی ہو وہ ایک مسلمان کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسروں کے لئے حلال نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ لوگوں نے پوچھا کہ ظالم کی مدد کیسے کی جا سکتی ہے۔ فرمایا ظالم کو ظلم سے منع کرنا اس کی مدد کرنا ہے۔

۴۔ جو شخص خدا کی مخلوقات اور اس کے بندہ سے محبت نہیں کرتا اللہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ کی نظر میں وہی سب سے اچھا ہے جو اپنے دوستوں میں سب سے اچھا ہے اور اللہ کی نظر میں وہی ہمسایہ مقبول ہے جو اپنے ہمسایوں میں مقبول ہے۔

۵۔ اس شخص کا ایمان پختہ نہیں جو اپنے لئے ایک چیز پسند کرتا ہے لیکن اپنے بھائیوں کے لئے نہیں۔

اسلام نے محض برادرانہ پیام و سلام کی جو تعلیم دی ہے صرف اسی کے ذریعہ اسلام دنیا کے لئے باعث نجات اور فلاح ہو سکتا ہے۔ اسلام کوئی نئی پابندیاں عائد نہیں کرتا اور نہ ہی مذہبی پیشواؤں کا تسلط قائم کرتا ہے بلکہ بکھرے ہوئے قوانین کو یکجا جمع کر دیتا ہے، بگڑے ہوئے نظام معاشرت کو سدھار دیتا ہے اور حکومت کے لئے ایک لائحۂ عمل پیش کر دیتا ہے۔ اگر دنیا کے مقتدر سیاستدان، ماہران سائنس اور فلسفہ ایک ساتھ بیٹھ کر عقل سلیم، فلسفۂ سائنس اور جذبات کے مطابق کوئی نیا مذہب قائم کرنا چاہیں تو ان کے مذہب کے تمام اصول اسلام کے اصولوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔

۵۷۰ء میں رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش کے وقت مذہبی اور سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں کے باشندے بتوں، پتھروں اور ستاروں کو پوجتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اپنا اثر ڈالا ہوا تھا۔ اخلاقی پستی اور ذلت ناقابل بیان تھی سینکڑوں بدترین قسم کے ایسے گناہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے رحمت اللعالمین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا۔ انہوں نے اپنے اسلامی اصولوں سے عرب کی تمام سوسائٹی میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔ دنیا کی تاریک فضا روشن ہوئی۔ ایک ہمہ گیر اصولوں کے مجموعہ سے انسانیت میں نئی روح پیدا ہوئی۔ اگر عرب کی نئی اور

پُر شکوہ زندگی سوشلزم کے ذریعہ ہوئی
تو تمام دنیا کی زندگی اسلام کے ذریعہ۔
اور سوشلزم اور اسلام کی جس نے تکمیل
کی وہ اس کی مسیحائی کا نتیجہ تھا۔ جس
نے نہ صرف ایک یا دو جذامیوں کو
صحت بخشی بلکہ تمام مردہ قوم کو ایک
نئی اور روح پرور زندگی بخشی جس نے
نہ صرف مافوق الفطرت معجزے دکھلائے
بلکہ دنیا میں ایسی عجیب و غریب چیزیں
پیش کیں جن کے نشانات اب تک
موجود ہیں اور جب تک دنیا آباد ہے
موجود رہیں گے اور جس نے عرب کے
ریگستانی صحراؤں پر عارضی طور پر حکومت
نہ کی بلکہ اس کی حکومت اس روزافزوں
آبادی کے دلوں پر ہے جو اس کا
ترانہ اب تک اسی تار پر گاتے ہیں
جس سے تمام انسانیت کو اس نے
ایک ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ آپ ایک
ایک عالمگیر اخوت قائم کرنا چاہتے تھے
چنانچہ اپنے دشمنوں کو فتح مکہ پر جو میگنا کارٹا
یا چارٹا عطا کیا۔ اس چارٹر کی نمایاں
خصوصیت اخوت اور مکمل آزادی ہے۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری
بار اپنے ہموطنوں سے جو تقریر کی وہ
یہ تھی :-

تقریر حجۃ الوداع

لوگو! میری بات سنو، شاید کہ اس
کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت
نہ آئے۔

"عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی
پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدمؑ کی
اولاد ہو اور آدمؑ خاک سے بنے تھے"

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے
اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر
دیئے گئے"

"عورتوں کے معاملہ میں خدا سے
ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا
تم پر حق ہے"

"مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار
ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں
اور باپ بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں"

"اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی
تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب
کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت
اور فرمانبرداری کرو"

"مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو
کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی میں برباد
ہو گئیں"

"جو خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں
کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ"

"میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں
اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو
گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کیا ہے ؟
کتاب اللہ"

"خبردار! ظلم اور بے انصافی نہ کرو"

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر
ختم کرنے کے بعد جب مجمع سے یہ
کہا۔ کیوں میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟
ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں "بے شک"
رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا۔
اے اللہ! تو گواہ رہ"

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے قبل کئی مصلحین اور پیغمبر
گذرے ہیں لیکن علم کی وہ صفتیں ان
میں ودیعت نہ ہوئی تھیں جو خاص طور
پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حصہ
میں آئیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
سے پہلے کسی سوشل ریفارمر نے ایسے
قوانین نہیں بناتے جو اسلامی قوانین کی
طرح خالص جمہوری ہوں اور نہ کسی
مصلح نے، خواہ وہ مہاتما گوتم بدھ ہوں
یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اخوت اور
مساوات کی تعلیم دینے کے لئے اپنے
آپ کو فوق البشر ہونے سے بچانے کی
کوشش کی۔ یہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہی کی خوبی تھی جنہوں نے اپنے پیروؤں
پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ میں تمہاری
طرح ایک انسان ہوں۔

آپؐ نے فرمایا "لوگو! پرہیزگاری اختیار
کرو۔ شیطان تمہیں گرا نہ دے۔ میں عبداللہ
کا بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ خدا
کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں یہ
پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ
بڑھاؤ۔ میں امتیاز پسند نہیں کرتا اور نہ
تشخص پسندی مجھے محبوب ہے"

آپؐ باوجود پیغمبر خدا ہونے کے گھر
کا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے۔
یہ سادہ زندگی کس نے بسر کی ؟ یہ ادنیٰ
کام کس نے اپنے ہاتھوں سے انجام
دئیے ؟ اُس نے جو تمام عرب کیا، بلکہ
آج تک دنیا میں معزز ترین اور شریف
ترین انسان سمجھا جاتا ہے اور اسی کا
نتیجہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے
جمہوری پند و نصائح نے اپنا اثر دکھایا
اور ہر شخص اپنی انفرادیت اور اشتراکیت
پر قربان کرنے کے لئے پیش پیش تھا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے
دو بڑے مصلح پیدا ہوئے جن میں ایک
نے ہندوستان کی سنگلاخ زمین میں جنم
لیا۔ اور دوسرا نبی اسرائیل کے درمیان
(حضرت عیسیٰؑ) ظہور پذیر ہوا۔ ان کے
تیار کردہ قوانین اور ان کی مخلص اور
بے لوث زندگیاں آج کل کی اشتراکیت
کے لئے بہترین بنیادی اصول ہو سکتی
تھیں۔ بشرطیکہ وہ تجرّد کی زندگی بسر
نہ کرتے۔ جس کی وجہ سے سوسائٹی میں
عورتوں کی حیثیت کا پتہ نہ چلتا بلکہ
ان کی حیثیت گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔
دوسرے ان کی انتہائی خلوت پسندی اور
سوسائٹی سے قطعی علیحدگی نے ان پیروؤں
میں رہبانیت کی کھلم کھلا ترغیب دی۔
اس میں شک نہیں کہ دونوں کی زندگی
امارت پسندی اور انفرادیت کے خلاف
جہاد تھی لیکن اشتراکیت کی عملی دلیل نہ
تھی۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
زندگی صریحاً انسانی اور سوشل تھی جو
آج تک تمام لوگوں کے لئے قابل
عمل ہے۔ آپؐ نے اپنے غلام زید کو
متبنٰی فرمایا۔ اور جب ان کا انتقال ہوا
تو آپؐ بہت ہی غمگین ہوئے۔ آپؐ
نے اسی غلام کی مطلقہ بیوی سے شادی
کرنا کوئی عیب نہ سمجھا۔ آپ کو اپنی
بیوی خدیجہؓ سے اس قدر سچی اور مخلص
محبت تھی اور آپ کو اپنے والدین
خصوصاً اپنی ماں سے محبت تھی۔ آپؐ
کا یہ قول ہے کہ ماؤں کے قدموں کے
نیچے جنت ہے اور سب سے بالاتر
بات یہ تھی کہ تمام لوگوں اور اصحاب
سے ان کی یکساں ہمدردی اور اخوت
تھی جو موجودہ اشتراکیت کے لئے
شمع ہدایت کا کام دے سکتی ہیں۔ یہ
تمام باتیں عربوں کے لئے زندہ مثالیں
تھیں اور آج بھی تمام دنیا کے مسلمانوں
کے لئے ہے۔

اسلام کے مذہبی قوانین کی بنیاد
بھی دنیا کے بزرگ ترین مصلح محمد مصطفیٰ
(صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک طرف
تو اجتماعیت اور دوسری طرف اخوت
اور مساوات پر رکھی جو جمہوریت کے

زریں اصول ہیں۔ چنانچہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دن میں پانچ وقت اور ہفتہ میں ایک روز ضرور تمام مسلمان امیر، غریب بلا تفریقِ رنگ و ملت اور جاہ و مرتبہ ایک ہی بارگاہ میں ایک ہی منتخب کردہ شخص کی اقتداء میں سرِ نیاز خم کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ پھر سال میں دو موقعے عیدین کے ایسے فراہم کئے گئے ہیں جب شہر کے تمام پیروانِ اسلام ایک واحد مقام پر جمع ہو کر اور گلے مل کر اپنی برادرانہ شفقت اور خلوص کا اظہار کرتے ہیں اور پھر زندگی میں کم سے کم ایک بار ہر مسلمان پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے اجتماع میں ضرور شریک ہو۔ مکہ معظمہ کا یہ عظیم الشان اجتماع جہاں ایک مرکزی مقام پر دنیا کے تمام مسلمان خواہ وہ شاہ ہوں یا گدا، ایک ہی لباس میں، ایک ہی وضع قطع میں آتے ہیں گویا اسلامی سوشلزم کا سالانہ مظاہرہ ہے جو اخوت و مساوات کا عملی نمونہ ہے۔ اس اجتماع میں امیر و غریب، شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہیں۔ چنانچہ ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان ایک ہیں اور ہر شخص پر لازم ہے کہ سب لوگوں سے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے "مساویانہ برتاؤ رکھے۔ یہ سالانہ اجتماع محض ظاہری یکسانی اور انسانی مساوات ہی کی بیّن دلیل نہیں بلکہ انسانیت کی یک جہتی اور مقصد کی یکسانی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ لاکھوں مرد اور عورتیں، ضعیف و جوان ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کر کے جان و مال کو معرضِ خطر میں ڈال کر اس مقام پر صرف ایک ہی مقصد اور ایک ہی نیّت کی تکمیل کے لئے آتے ہیں تاکہ وہ ایک واحد مرکز میں ایک واحد اجتماع میں کھڑے ہو کر اپنے واحد محبوب ربّ العالمین کی عبادت میں ایک ساتھ سرِ نیاز خم کریں چنانچہ لاکھوں انسانوں کا یہ مجمع جب مل کر دست بدعا ہوتا ہے تو ہر شخص کے دل میں صرف واحد برادرانہ لگاؤ اور روحانی رشتہ کا جذبہ ہی سینہ میں موجزن نہیں ہوتا بلکہ خدا کی ربوبیت اور انسان کی اخوت کا خیال اچھی طرح دل نشین ہو جاتا ہے۔

اس نئی اور عجیب سوشلزم پر ایک مشہور مؤرّخ گبن اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بدترین دشمنوں نے ان کو بُرا بھلا اس وجہ سے کہا کہ نجات کی امید انہوں نے انہیں یہ کہہ کر دلائی کہ تمام لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور عمل صالحہ کریں گے۔ آخرت کے روز عمدہ صلہ پائیں گے۔ ایسی عقلیت پسندانہ بے نیازی ایک راسخ العقیدہ شخص کے لئے غیر موزوں ہے اور یہ ممکن ہے کہ آسمانی پیغمبر اپنے الہامات کی قدر و قیمت کو اتنا ارزاں کر دے۔"

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس عظیم الشان کارنامے اور ان کی بلند ترین سوشلزم کی قدر نہ کی۔ عرب کے بزرگ سوشلسٹ نے رنگ و ملت کے تفرقہ کو مٹا دیا تھا اور اشتراکیت کا سیاسیات، معاشیات کا پہلو یہاں تک نمایاں کر دیا تھا۔

اسلامی معدلت

اخلاقیات ہی میں نہیں، معاملات میں انتظامات میں، سیاسیات میں، معاشیات میں گھر میں، دنیا میں، ہر شعبۂ حیات میں عدل و انصاف، انتہائی شرافت اور بلندیٔ اخلاق کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ بنی نوعِ انسان کی خدمت اور عیال اللہ کی حاجت روائی جو بہترین تقویٰ ہے عدل ہی میں عبادت ہے، عدل ہی پر حکومت کی بنائیں استوار ہوتی ہیں عدل ہی سے امن قائم رہتا ہے، عدل ہی فتنہ و فساد کی جڑیں اکھیڑتا ہے۔ اور عدل ہی سے کسی حاکم و حکومت ہی نہیں قوم کی شرافت و عظمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ عادل انسان کی سب عزت کرتے ہیں اور اس کا نام قیامت تک روشن رہتا ہے — عدلِ نوشیروانی، عدلِ فاروقی رضؓ، عدلِ شیر شاہی اور عدلِ جہانگیری آج تک مشہور ہے۔ عدل بہترین خدمتِ انسانی ہی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس پر بہت زور دے کر فطرتِ انسانی کو مطمئن کر دیا ہے۔

تمدنی اصلاح

اسلام نے تمدن میں بھی بڑی اصلاحات کیں۔ وہ اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے تمام پیشوایانِ مذہب کے ادب و احترام کا سبق سکھا کر ایک اللہ کی مخلوق اور عیال اللہ بتا کر اور سب کے ساتھ حسن و سلوک و احسان کی تعلیم دے کر بین الاقوامی تعلقات کی طرف قدم اٹھا دیئے، پڑوسی کی ننگ و ناموس اور جان و مال پر دستبرد کو دوہرا بتایا، فتنہ و فساد کے ضمن میں زن و زر، زمین اور زبان کو ہر زمانہ میں بڑا اثر رہا ہے۔ عورتوں کے معاملہ میں مرد و عورت کی سوسائٹیاں علیحدہ کر دیں۔ نامحرم پر نگاہ ڈالنے کی ممانعت اور اپنی عورت سے محبت و سلوک کی تاکید کی۔ زبان کے فسادات کو روکنے کے لئے بہت تاکید کی پیٹھ پیچھے برائی سے، لغوگوئی اور چغلی کو باعث عذاب بتایا —— اسلام عورت کی عزت و مرتبت، غلامی کا انسداد، نسلی و رنگ کے امتیازات کا اٹھا دینا، اخلاقی اصلاح اور مذہبی اصلاح، حفظ و صحت اور صفائی کے اصول سکھاتا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں شراب خوری، قماربازی، دجل و فریب، زنا اور کثیر الازدواجی اسلام نے ان تمام عیوب کا خاتمہ کر دیا اور مسلمانوں کو دنیا کی ایک شریف ترین قوم بنا دیا۔

مذاہبِ عالم میں اسلام ہی ایک ایسا دین اور مذہب ہے جسے اپنے متعلق نہ صرف کامل بلکہ دینِ اکمل ہونے کا دعویٰ ہے۔ ارشادِ باری ہے کہ "آج میں نے تمہارے دین کو اکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر مکمل کر دیں اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو منتخب کیا۔"

اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ اس دعوے میں سچا ہے اور دنیا کا کوئی مذہب بھی اس کے اس دعوے کی تردید و تکذیب نہیں کر سکتا۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ (پ ۳ آل عمران آیت ۱۹) (ترجمہ) "بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے"۔ اس میں کوئی ترمیم و تحریف نہیں ہو سکتی۔ قرآن مکمل ضابطہ قانون ہے۔ قیامت تک اس کے قوانین موزوں و مناسب ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم روس، امریکہ، برطانیہ اور چین کے قوانین تلاش کریں پھر ان کو پاکستان میں رائج کریں۔

اسلام میں سوشلزم، کمیونزم، امپیریلزم

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا واہ کینٹ میں درسِ قرآن

منعقدہ ۲۸ جنوری ۱۹۶۸ء

مرتبہ
محمد عثمان غنی بی اے

(۳)

بات دور نکل گئی - بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کوئی چیز زمین میں چلنے والی ایسی نہیں ہے جس کا رزق خدا نے اپنے ذمے نہ لیا ہو تلطفًا و رحمۃً ــــ یہ میری مہربانی ہے، میں مجبور نہیں ہوں اگر میں رزق اپنے ذمے نہ لیتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی مہربانی کے ساتھ ساری کائنات کا جو زمین میں چلنے پھرنے والی ہے اُس کا رزق اپنے ذمے لیا، اس کے رزق کی جتنی اقسام ہیں وہ میں مہیا کرتا ہوں۔ کسی کو پانی سے رزق ملتا ہے، کسی کو خون سے رزق ملتا ہے، کسی کو گوشت سے رزق ملتا ہے، کسی کو مکئی ملتی ہے، کسی کو گندم ملتی ہے، رزق کی اقسام ہیں، انواع ہیں، کسی کو دودھ ملتا ہے، کسی کو کیا ملتا ہے - یہ ساری انواع و اقسام پیدا کرنے والا کون ہے؟ رب العٰلمین ہے۔

یاد رہے اللہ پر رزق دینا لازم نہیں ہے، اللہ مجبور نہیں ہے، اللہ مکلف نہیں ہے - اللہ تعالےٰ اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں رزق بھی دیتا ہے۔ یہ جو ہمارے محاورے میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ "جی مجھے تو اپنی فکر ہے اور خدا کو سارے لوگوں کی فکر ہے" ــــ خدا کو کس کی فکر ہے؟ وہ خدا ہی کیسا ہے جو فکر کرتا ہے؟ فکر تو مجبوری کی ایک علامت ہے کہ کام کر نہ سکے اور فکرمند ہو جائے۔ آج کل بہت بھائی کہتے ہیں "اجی مینہ برستا ہے، دعا کرو ٹھہر جائے" پھر دوسرا رائے دیتا ہے "ارے یار چھوڑ! مجھے اپنی فکر ہے اور خدا کو سب کی فکر ہے" ــــ خدا کو کسی کی فکر نہیں ہے۔ بسوں پر لکھا ہوتا ہے ؎

تو چرا باشی بفکرے مبتلا
کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما

کارساز کو ہماری کوئی فکر نہیں ہے، وہ فکر سے بالاتر ہے۔ فکر تو وہ کرے جو مجبور ہو۔ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (مریم ۳۵) تو جب کُن بھی نہیں کہتا، اَرَادَ شَیْئًا (یٰسٓ ۸۲)، چاہے تو وہ کام بس ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی بلند عظیم ذات ہے، عزّ اسمہٗ و جل جلالہٗ۔

تو فرمایا۔ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ جتنی یہ زمین میں زمین میں چلنے پھرنے والی مخلوقات ہے اس ساری مخلوقات کا رزق میرے ذمے ہے۔ اس لئے میرے بندے! رزق کے معاملے میں آکر میرے ساتھ نہ ٹکرانا۔ رزق تو بڑی معمولی چیز ہے میرے سامنے۔ تو رزق کے لئے مجھے چھوڑ دیتا ہے؟ رزق کے لئے میری نافرمانی کرتا ہے؟ اور ساتھ ہی پھر یہ بھی اشارہ فرمایا کہ تو محنت کر، رزق میرے ذمے ہے۔ یعنی اُس کا نتیجہ میں نکالوں گا۔ اور لفظ دَآبَّۃٍ فرمایا میرے بزرگو! یہ نہیں فرمایا۔ وَمَا مِنْ اِنْسَانٍ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ (سبحان اللہ! قرآن مجید اللہ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے) یہ نہیں فرمایا۔ وَمَا مِنْ اِنْسَانٍ۔ ہر انسان کا رزق میرے ذمے لازم ہے، فرمایا نہیں نہیں، وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ انسان نے تو ہل چلا لیا، کوئی فیکٹری کھول دی، کارخانہ کھول دیا۔ دُکان بنا لی، بی اے پاس کر لیا، کلرک لگ گیا، یہ تو روٹی پیدا کرتا ہے چلو کہتا ہے کہ میں نے اپنے علم سے پیدا کی، یہ چوہے نے کیا پاس کیا ہے؟ چوہے کا سٹور کہاں ہے؟ بلّی کا کہاں ہے؟ یہ چیونٹیوں کا کہاں ہے؟ مِنْ دَآبَّۃٍ کوئی بھی دَآبَّۃ ہو۔ چھوٹا ہو کہ بڑا ہو۔ سب کا رازق فرمایا اللہ نے کہ میں ہوں۔ تمہارا رازق تم اگر سمجھتے ہو کہ تم ہو تو ان کا رازق کون ہے؟ ماننا پڑے گا کہ سب کا رازق اللہ تعالےٰ ہے۔

اس لئے دوسرے مقام پر فرمایا۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّۃٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَھَا ۖ اللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ ۖ (عنکبوت ۶۰) او انسانو! اتنے دَآبّے ہیں، اتنی چلنے پھرنے والی مخلوق ہے اس زمین میں جو اپنا رزق خود نہیں پیدا کر سکتی۔ اپنا رزق نہیں اٹھا سکتی۔ اپنے رزق کے لئے کوئی انتظام نہیں کر سکتی ــــ اللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ ۖ اللہ ہی اس کو بھی رزق دیتا ہے، اللہ ہی تم کو بھی رزق دیتا ہے، رزاق وہی ہے، تم نہیں ہو۔ اگر رزاق ہوتا صرف انسانیت کی صفت میں تو پھر یہ سارے حیوانات، کیڑے مکوڑے مر جاتے حالانکہ علمائے حیوانات نے لکھا ہے کہ باقی حیوانات بہ نسبت انسان کے زیادہ کھاتے ہیں۔ چوہے کے متعلق لکھا ہے کہ چوہا سب سے زیادہ کھاتا ہے۔ اور سب سے زیادہ بچے بچیاں پیدا کرتا ہے۔ توالد اور تناسل میں بھی سب سے آگے اور کھانے پینے میں بھی سب سے آگے۔ تو اب چوہے نے بھائی کون سے سٹور بنا رکھے ہیں؟ اس نے کون سا دفتر خوراک کھولا ہے؟ اس نے کون سا زرعی نظام قائم کیا ہے؟ ــــ کرنا چاہئے۔ ہم اس کے خلاف نہیں ہیں، لیکن اعتماد کس پر کرو؟ اللہ کی ذات پر۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری ساری محنت میں اثر پیدا ہوگا۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہماری محنت میں کوئی اثر پیدا نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح رب العالمین نے پھر رزق کے درجات بنائے، رزق کے آلات بنائے، رزق کے اسباب بنائے۔ میرے بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ بلّی کی خوراک چوہا ہے۔ بلّی چوہے کا شکار کرتی ہے لیکن دیکھا شکار کرنے کے لئے بلّی میں ایک قوت پیدا کر دی اندھیرے میں بلّی دیکھتی ہے کہ نہیں دیکھتی؟ کہاں سے بیٹری حاصل کی اس نے؟ بلّی میں قوت کس نے پیدا کی؟

خدا کے منکروں سے پوچھو کہ جو انسان اشرف المخلوقات بنا پھرتا ہے وہ تو رات کو اپنی گھڑی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک اس میں وہ ریڈیم نہ لگی ہو۔ لیکن بلّی رات کو چوہے کو دیکھ لیتی ہے۔ بلّی کے اندر بیٹریاں کس نے لگائیں؟ کس نے مسالہ بھر دیا؟ اُسی اللہ نے، اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ۔ (السجدہ ع۱) جس نے ہر چیز کو بنایا، اور پورا بنایا — تو میرے، بھائی بلّی کو رزق دیا کہ نہیں؟ اور کیسے دیا؟ اُس کی آنکھ میں قوت پیدا کر دی اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے — تو اسی طرح میرے بزرگو! جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ ع

آنکہ با مرغِ ہوا ماہی دہد

اس پرندے کو جو فضا میں اُڑتا ہے، مچھلی اس کی خوراک بنا دی اور مچھلی شکار کرنے کا طریقہ بتا دیا۔ وہی اللہ تعالےٰ میرے بزرگو! بلّی کو شکار کھاتا ہے اور بلّی کو چوہا شکار کرنے کا طریقہ بتا دیا۔ اس میں وہ صلاحیتیں پیدا کر دیں — تو پھر انسان کو میرے بزرگو! اللہ تعالےٰ کیوں محروم رکھے گا؟ اور پھر وہ انسان جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہو — آج ہم مسلمان بہت پیچھے ہیں اللہ تعالےٰ پر اعتماد کرنے کے اعتبار سے، اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو اعتماد کی دولت نصیب فرمائے کہ ہر چیز کا رازق اللہ تعالےٰ ہے — کافروں کو دیتا ہے تو مسلمانوں کو کیوں نہ دے بھائی؟

شیخ سعدی نے فرمایا ہے گلستان میں ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کُنی محروم
تُو کہ با دشمناں نظر داری

کون پڑھتا ہے گلستان کو؟ ہم مولوی نہیں پڑھتے آپ کیسے پڑھیں گے؟ ہمارے بچے گئے سارے کے سارے داخلِ دفتر ہو گئے — گئے مسلمان مولویوں کے بیٹے پیروں کے بیٹے، سب یورپین تمدّن میں رنگے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب فرمائے۔ علومِ جدیدہ کے ہم مخالف نہیں ہیں نہ قرآن اس کا مخالف ہے، نہ ہمارے اکابر مخالف تھے میرے بھائی! ہم تو کہتے ہیں علومِ جدیدہ کو اک سبب سمجھو اور اپنا ہادی اور رہنما سمجھو محمد رسول اللہ کو۔ علومِ جدیدہ حاصل کرو، تہذیب تو نہ حاصل کرو ان کی — تعلیم یورپ حاصل کرو، تہذیبِ یورپ حاصل نہ کرو — یورپ کی تعلیم حاصل کرو، چلو اگر اس کے بغیر نہیں رہ سکتے، تو تہذیب تو اپنی ہو، تہذیب ہو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تہذیب ہو صحابہؓ کی، تہذیب ہو ہمارے اپنے بڑوں کی۔ ہم بتا تو سکیں کہ ہم کون ہیں۔

تو شیخ سعدیؒ نے گلستان میں رزق کا مسئلہ بیان کیا ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

اے سخی! جو ایسا کریم ہے تیری سخاوت کی کوئی حد نہیں ہے، تو اپنے غیب کے خزانے سے اُن کافروں کو بھی دیتا ہے جو تیرے دشمن ہیں۔ جو تجھے نہیں مانتے اُن کو بھی تُو روٹی دیتا ہے۔ تو پھر ؎

دوستاں را کجا کُنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

پھر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھنے والے کیسے محروم رہ سکتے ہیں جب کہ تُو دشمنوں کو بھی دیتا ہے۔

تو رزق کا مسئلہ قرآن نے حل کیا۔ بڑی تفصیل کی آیت ہے مگر میں اختصار کر رہا ہوں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ جتنے بھی چارپائے ہیں، جتنے بھی دو ٹانگوں والے ہیں، جتنے بھی پیٹ کے بل چلنے والے ہیں — قرآن نے دآبّۃ کی تفسیر دوسری جگہ خود فرمائی۔ اللہ فرماتے ہیں۔ مِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ (النور ع۶) کوئی تو دو ٹانگوں پر چلتا ہے۔ مِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ (النور ع۶) کوئی چار ٹانگوں پر چلتا ہے۔ مِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ (النور ع۶) کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے (سانپ پیٹ کے بل چلتا ہے) تو فرمایا کوئی بھی ہو، خواہ پیٹ کے بل چلے، خواہ دو ٹانگوں پہ چلے، خواہ چار ٹانگوں پر چلے۔ زمین میں رہنے والی کوئی بھی مخلوق ہو، اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ اللہ ہی کے ذمے ہے اس کی روزی پہنچانی اپنے فضل و کرم کے ساتھ۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: قرآن مکمل دستور العمل ہے . .

اور کیپٹلزم کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن اور حدیث سے بنائے آسمانی قوانین ہیں جو انسان کے لئے مشعلِ راہ ہیں اور جن پر عمل کر کے انسان دین و دنیا کی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

بقیہ: خلیفہؓ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ

کرے گا؟" حضرت عمرؓ ایسے لوگوں کو دنیاوی آلودگیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بڑی بھاری تنخواہیں دیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام ملکی خدمات کا معاوضہ لینا مناسب خیال نہیں کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ ہر طریقے سے انہیں اس پر آمادہ کرتے تھے۔ ہر افسر کا نام تقرری سے پہلے مجلس مشاورت میں پیش کرتے۔ منظوری ملنے کے بعد فرمان دیتے جس میں اختیارات و فرائض کی وضاحت ہوتی۔ اس پر معزز صحابہؓ کی گواہی لی جاتی۔ پھر جب یہ افسر اپنے علاقہ میں جاتے تو عوام کو یہ فرمان پڑھ کر سناتے۔ جس سے عوام کو بھی معلوم ہو جاتا کہ ان کے افسر کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں۔ ہر افسر سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پہ سوار نہ ہوگا تاکہ اس میں غرور پیدا نہ ہو۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پہ دربان نہ رکھے گا —— ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے افسروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زد و کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں۔ ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ کہیں زبردست کمزوروں کو کھائیں۔ اپنے آپ کو ان سے کسی بات میں ترجیح نہ دو کہ یہ ان پہ ظلم کے مترادف ہے۔"

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جس کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تھے۔ اس کے مال و اسباب اور دولت کی مفصل فہرست تیار کر کے رکھ لیتے تھے۔ اگر کسی کے مال و متاع میں ناجائز اضافے کی اطلاع ملتی تو سخت مواخذہ کرتے تھے۔ انہوں نے کئی افسروں کی مال و دولت کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کیا۔

حضرت عمرؓ افسروں کے تقرر میں جتنی احتیاط سے کام لیتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ تقرری کے بعد ان کی طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ مگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ آپؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا "کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین آدمی کو تم پہ عامل مقرر کر کے اسے عدل کا حکم دے دیا۔ تو کیا میں اپنے فرض سے عہدہ برا ہو گیا؟" لوگوں نے جواب دیا "جی ہاں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں۔ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں یہ نہ سمجھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا اس پر عمل بھی ہو رہا ہے کہ نہیں"۔ حضرت عمر اپنی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بڑا اہتمام کرتے تھے۔ مثلاً تمام افسروں کو علم تھا کہ ہر سال حج کے موقع پہ اکٹھے ہوں۔ اس موقع پہ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر اعلان فرماتے کہ جس کسی کو کسی افسر سے شکایت ہو پیش کرے"۔ اس وقت جو شکایت پیش ہوتی اس کا ازالہ ضرور ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاص کے بیٹے محمد نے کسی مصری کو مارا اور ساتھ کہتا جاتا تھا میں بڑوں کی اولاد ہوں"۔ اس مصری نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص اور ان کے بیٹے محمد کو بلایا۔ ان کے آنے پہ مصری سے فرمایا "تو یہ کوڑا لے کر بڑوں کی اولاد کو مارو"۔ مصری نے جی بھر کر پٹائی کی۔ جب تھک گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "اب عمرو بن عاص کے سر پہ مار"۔ مصری نے عرض کیا کہ جس نے مجھے مارا تھا میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم اگر تو عمرو بن عاص کو مارتا تو میں تجھے اس وقت تک نہ روکتا جب تک کہ خود اپنا ہاتھ نہ روک لیتا"۔

پھر عمرو سے مخاطب ہو کر غضب ناک لہجے میں فرمایا "عمرو! لوگوں کو ان کی ماؤں نے تو آزاد جنا تھا۔ تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا؟"

ایک دفعہ مصر کے حاکم عیاض بن غنم کے متعلق سنا کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ڈیوڑھی پہ دربان مقرر ہے حضرت عمرؓ نے تحقیقات کرائی۔ الزام درست ثابت ہوا تو انہیں موٹی اون کا کرتہ پہنا کر بکریاں چرانے پہ مامور کیا

حضرت سعد بن ابی وقاص کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ مصر جا کر دیکھیں اگر وہاں ڈیوڑھی موجود ہو، تو اسے آگ لگا دیں اسی طرح ایک مرتبہ شکایت موصول ہونے پہ حضرت عمرو بن عاص کے مال و اسباب کا جائزہ کیا اور اس میں سے آدھا ضبط کر لیا۔

عدل وانصاف

اسلامی تاریخ میں عدالت کے باقاعدہ شعبہ کی بنیاد بھی حضرت عمرؓ نے رکھی تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔ اس کے ساتھ ہی قضا کے اصول و آئین متعین کیے جو کہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قاضی کو عدالتی حیثیت میں تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے (۲) بار ثبوت عموماً مدعی پہ ہے (۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت و شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی (۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی (۵) قاضی اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کر سکتا ہے (۶) مقدمہ کی پیشی کی تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔ (۷) تاریخ مقررہ پہ اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ یک طرف

ان کے عسکری تدبّر سے اسلامی مملکت دائرہ موج بن کر چاروں طرف پھیل گیا •
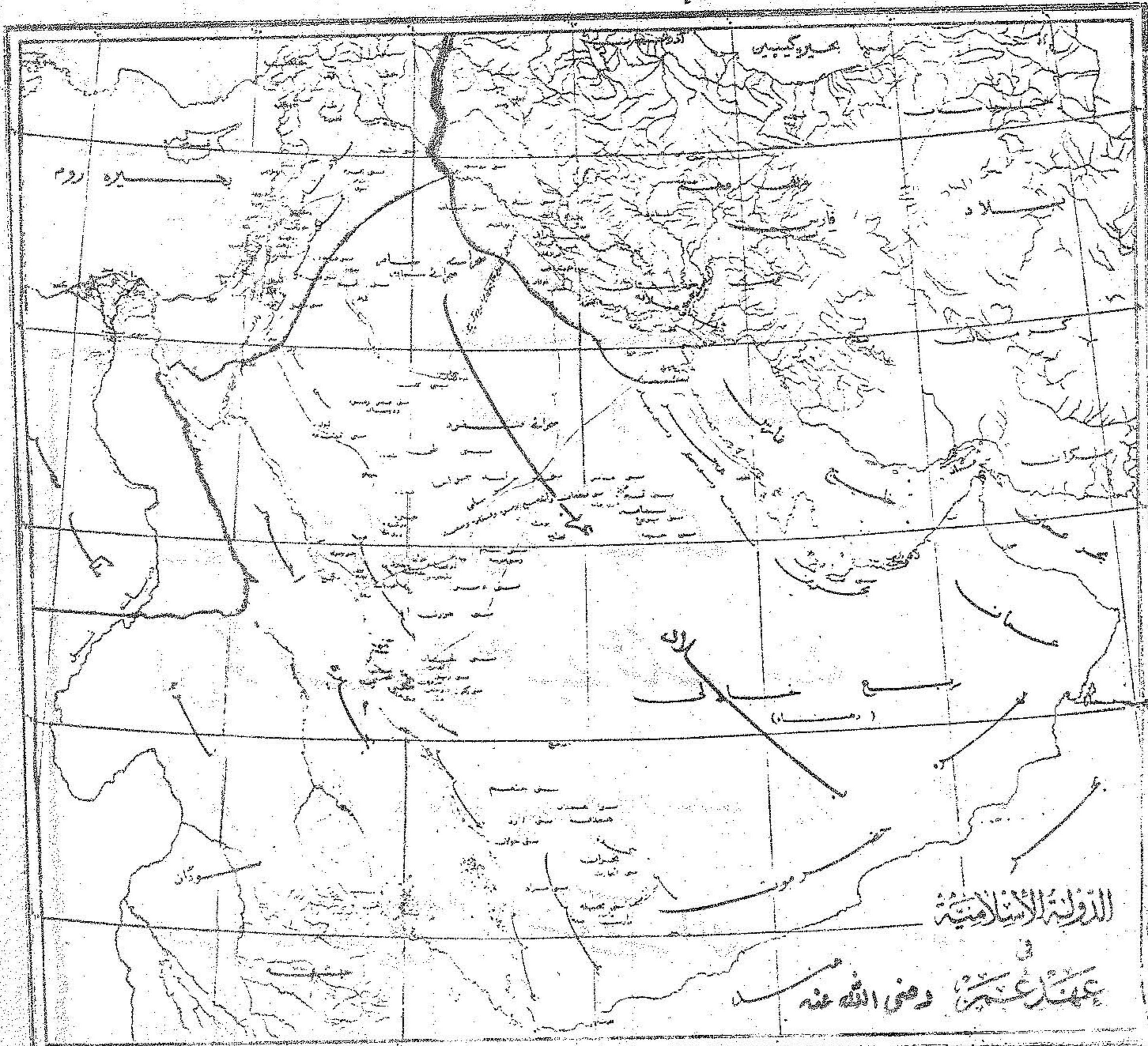
دنیا میں آج تک ایسی مثالی حکومت قائم نہیں ہوئی

فیصل کیا جائے گا (۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

حضرت عمرؓ انصاف کے معاملے میں مساوات کے قائل تھے یہاں تک کہ خود فریق مقدمہ بنا کر عدالت میں حاضر ہونے میں عار نہیں سمجھتے تھے اور اگر کبھی قاضی ان کا لحاظ کرتا تو ناراض ہوتے اگر کوئی قاضی مقدمہ سننے کے بعد حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دے دیتا تو اس پر خوشی کا اظہار کرتے بلکہ ان کی ترقی کرتے بلکہ ان کی ترقی کر دیتے۔ آپؓ قاضیوں کو بھاری تنخواہ دیتے تاکہ وہ رشوت وغیرہ نہ لیں اور کسی کی رو رعایت نہ کریں۔

حضرت عمرؓ نے عدالت کے ساتھ ہی افتا کا محکمہ بھی قائم کیا تاکہ لوگ مختلف مسائل پر قانونی رائے حاصل کر سکیں۔

بیت المال بیت المال کا صیغہ بھی حضرت عمرؓ نے ہی قائم کیا۔ ورنہ اس سے پہلے رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا۔ ۱۵ھ ۶۳۶ء میں حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے ۵ لاکھ کی رقم ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے شوریٰ سے رائے طلب کی۔ مختلف اصحاب نے مختلف آرا پیش کیں لیکن آپ کو ولید بن ہشام کی یہ رائے پسند آئی کہ سلاطین شام کی مانند ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا جائے سب سے پہلے مدینہ منورہ میں بیت المال قائم کیا جس کی نگرانی حضرت عبداللہؓ بن ارقم کے سپرد تھی۔ بعد ازاں تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے گئے۔

بیت المال کے قیام کے بعد حضرت عمرؓ نے اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ پورے ملک میں جتنے اپاہج اور مفلوج یا بے کار لوگ تھے ان سب کو بیت المال سے تنخواہ دی جائے۔ جن لوگوں کے نام فوجی رجسٹر میں لکھے تھے انہیں گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ تمام بڑے شہروں میں مسافر خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو مفت کھانا ملتا تھا۔

رفاہ عامہ کے اخراجات بھی بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے اخراجات میں نہروں، سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کے اخراجات شامل تھے

حضرت عمرؓ کو رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جو عقیدت تھی اس کا اظہار اس ایک واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ جب انہوں نے بیت المال سے لوگوں کی تنخواہیں مقرر فرمائیں تو اس کے لئے اصول یہ طے کیا کہ جو لوگ آنحضرت صلعم کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ انہیں سب سے زیادہ وظیفہ دیا جائے اس ترتیب کی وجہ سے خود ان کے اپنے خاندان کا نام سب سے آخر میں جا پڑا اس نظام کے باعث آنحضرت صلعم کے محبوب غلام حضرت زیدؓ کے فرزند اسامہ کی تنخواہ ان کے اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ تھی بیٹے نے شکایت کی تو اُسے ڈانٹ دیا۔

ذاتی کردار اپنے زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے فرمانروا کا اپنا یہ عالم تھا کہ دس دس پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو گھر سے باہر تشریف لانے میں دیر ہوگئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ آپ کے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا تھا جسے سوکھنے کے لئے ڈالا ہوا تھا ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیرالمومنین اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے۔ کیونکہ میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔"جان پدر تیرا حق میرے خاص مال میں ہے۔ لیکن یہ غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا" وہ خفیف ہوکر اٹھ بیٹھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی اہلیہ حضرت ام کلثوم نے قیصر کی بیوی کو عطر کی چند شیشیوں کا تحفہ بھیجا۔ جواب میں اس نے شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ بیشک عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد اسے لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام خزانہ سے ادا کئے گئے تھے۔ لہذا اس کے عوض جواہرات بیت المال میں داخل کر دیئے

مرادِ مصطفیٰؐ

تھے صحابہؓ پاک یوں تو سب کے سب حضرت کے دوست
ہاں مگر فاروقؓ بے شک تھے مرادِ مصطفیٰؐ
متفق اس بات پر سارے ہیں اصحابؓ کبار
بعد از صدیقؓ اشوکؔ ان کا رتبہ ہے بڑا

بقیہ: خطبۂ حجۃ الوداع

دشمن اب اسے ایک ایسی آخری شکست دینا چاہتے ہیں کہ یہ پھر نہ اٹھ سکے۔ خدانخواستہ اگر ہمارے یہ دو روحانی مراکز خطرے کی زد میں رہے تو عالم اسلام بھی خطرے میں رہے گا۔ خود فراموشی اور حقائق پر پردہ پوشی کی رسم کو چھوڑیئے جہاد کے لئے تیار ہو جایئے۔ اسلام اس وقت سخت خطرے میں ہے۔ اتنا عظیم خطرہ ۱۴۰۰ سال میں کبھی نہیں پیش آیا۔

"چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیرما"

قرآن پاک کی تعلیمات اور اس ہادیٔ برحق اس محسن اعظم اس رحمت اللعالمین کے خطبۂ عالیہ کے آخری الفاظ اس حیات افروز پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر عائد کرتے ہیں۔

فرمایا" خبردار! جو حاضرین ہیں میرا کلام غائبین کو (خواہ اس وقت موجود ہیں یا آگے پیدا ہونے والے ہیں) پہنچا دیں کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کو میرا کلام پہنچے گا خود سننے والوں سے زیادہ اس کی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔

اس منشورِ تعمیر انسانیت کی نشر و اشاعت ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یہ آنحضرتؐ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس فریضے کو کماحقہٗ ادا کر سکیں۔ اسے حسن اتفاق سمجھئے کہ آج یو۔ این۔ او کی طرف سے (HUMAN RIGHTS YEAR 1968) منایا جا رہا ہے۔ ہم مسلمانوں کو اسلام کے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(ظفر علی خان)

(محمد سعید خان فخر، ریمونٹ ڈپو سرگودھا)

قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم۔ یعنی اللہ تعالےٰ شانہٗ کبھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت بدلنے اور سنوارنے کی کوشش نہ کرے۔

اس آیت میں جو فلسفۂ حیات بیان کیا گیا ہے وہ تشریح طلب ہے۔ اور یہ تشریح ہی موضوع تحریر ہے اللہ تعالےٰ جلشانہٗ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ لیس للانسان الّا ما سعیٰ۔ یعنی بندے کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ جد و جہد کرتا ہے۔

مندرجہ بالا دونو آیات سے جو باتیں ایک صاحبِ نظر پر منکشف ہوتی ہیں۔ وہ مولانا ظفر علی خان کے اسی شعر سے واضح ہیں۔ جب ہم فلسفۂ حیات پر چشمِ بصیرت ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی قرار و سکون کا نام نہیں اور نہ ہی زندگی نام ہے صبر و قیام کا۔ بلکہ زندگی ایک مسلسل جد و جہد کا نام ہے۔ اور یہی جد و جہد قوموں کو پستیوں سے بلندیوں کی طرف راجع کرتی ہے یہی جد و جہد قوموں کی زوال سے اقبال کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یہ جد و جہد ہی تو ہے جو قوموں کو قعرِ تنزّل سے نکال کر عروسِ ترقی سے ہمکنار کرتی ہے اور اسی جد و جہد کو اپنانے والی قومیں زندگی کے بحرِ موّاج کے تھپیڑوں کا مقابلہ کرکے ساحلِ مراد تک جا پہنچتی ہیں۔ ایسی قوموں کی زندگی کا ہر لمحہ دنیا کے لئے پیغامِ انقلاب ہوتا ہے۔

لیکن جب کوئی قوم اپنی حالت پر قانع ہو جائے تو گویا اس نے اپنا حقیقی نصب العین فراموش کر دیا ایسی قومیں پھر بحرِ حیات کی متلاطم موجوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں۔

تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے ایسی بے شمار مثالیں سامنے آتی ہیں۔ جن سے اس چیز کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ جن قوموں نے کارگہِ حیات میں سعیِ پیہم کو نہ اپنایا انہیں بحرِ حیات کی متموّج موجوں نے جہاں چاہے اٹھا کر پھینک دیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ طوفانی موجیں انہیں بلندی سے پستی کی طرف بہا لے گئیں۔

یہ دنیا ہمیشہ انقلاب کی زد میں رہی ہے۔ یہاں کبھی اہلِ روم کا ڈنکا بجا اور کبھی اہلِ یونان کا طوطی بولا۔ یہاں کبھی بنی اسماعیل نے خاندانِ ارضی کو زینت بخشی تو کبھی بنی اسرائیل نے اپنی طاقتوں کا ثبوت دیا، یہاں کبھی تاتاریوں نے فتح و نصرت کے نعرے لگائے تو کبھی سامانیوں نے گھوڑے دوڑائے، یہاں کبھی عربوں اور عجمیوں نے جلوہ فرمائی کی تو کبھی انگریزوں کا بول بالا ہوا۔ غرضکہ اس دنیا کی بساطِ اقتدار مسلسل معرضِ تغیّر و انقلاب میں رہی ہے

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگذر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور (اقبالؔ)

ان تمام مثالوں کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جن قوموں نے مقصدِ حیات و زیست کو سمجھا۔ اور اپنے حال و مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کی، قدرت نے ان کی مدد کی اور ان کو دنیا میں غلبہ اور اقتدار عطا کیا۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے عیش و عشرت کی زندگی کو اپنا نصب العین بنا لیا اور اس کی لذّتوں میں اپنا حقیقی نصب العین بھول گئے۔ ان کا نام صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا۔ جن لوگوں نے نغماتِ بے خودی کی تانوں پر رقص کیا وہ بحرِ حیات کی متلاطم موجوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ جن لوگوں نے گل و بلبل کی داستانوں میں، گلستانوں کی عطر بیز فضاؤں میں، آبشاروں کی ترنم خیز صداؤں میں، ٹھمریوں کے ہوش ربا نغموں میں اور لذاتِ فانی کی گوناگوں ہوس انگیزیوں میں اپنی زندگی گذار دی، انہوں نے گویا اپنی متاعِ زندگی بلکہ حاصلِ زندگی کو لٹا دیا۔ انہوں نے جوہرِ انسانیت کو ریزہ ریزہ کر دیا یا یوں کہئے کہ انہوں نے سرے سے مقصدِ حیات و زیست ہی کو لٹا دیا۔

غرض تاریخ میں ایسی کوئی مثال

۵۔ متعلق نیاز مندانہ روش و لیکن مولوی ہرگز نہیں ہوں خانساماں ہوں، ترک کر کے اسلام کی وہ برکات جو انسان کے واسطے ایک نعمت عظمیٰ ہیں دنیا پر ہمت و جرأت سے ظاہر کرنی چاہئیں۔ ہمیں چاہئے کہ AMIC HUMAN RIGHTS YEAR 1377-H ISL تمام ممالک اسلامیہ میں منائیں۔ غیر مسلموں نے صرف اپنی باتیں کہی ہیں۔ ہم سچی باتیں کہیں گے جو کام انہوں نے کیا ہے اس کا بھی اعتراف کریں گے۔ لیکن اسلام کی جن برکات کو انہوں نے چھپایا ہے ان کو بھی ظاہر کریں گے۔

اسلامی حقوق انسانی سال ۱۳۸۷ ہجری منانے سے حضورؐ سرور کائنات کے اس ارشاد کی بھی تعمیل ہو جائے گی کہ رجو حاضرین ہیں میرا یہ کلام غائبین کو پہنچا دیں،

محترم حکیم محمد سعید صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے بڑی چھان بین کے بعد خطبے کا متن، اردو اور عربی میں شائع کرایا۔ اور آج اس متبرک محفل کا انتظام کیا۔

اہل مجلس خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے اس پاک محفل میں شرکت کی۔ اور خوش نصیب ہوں میں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے بھی اس مبارک فریضے میں ادائیگی میں تھوڑا سا حصہ لینے کی سعادت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ارشادات نبی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وما علینا الا البلاغ

نہیں ملتی جو لیس للانسان الا ما سعیٰ - کی نفی کرے - اس کائنات کی ایک ایک شے کی جنبش اور حرکت زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ زندگی حرکت و عمل اور سعیِ پیہم ہی کا نام ہے - یہی عناصر تاریخی انقلابات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں - یہی وہ عناصر ہیں جو قوموں کی حالتِ زار بدلنے کے لئے ناگزیر ہیں - انہیں عناصر کو اپنانے والی قومیں پھر ایسی ہستیوں کو جنم دیتی ہیں جو پھولوں کو چھوڑ کر اپنی منزل کے کانٹوں کا استقبال کرتی ہیں - اور جو متلاطم سمندروں کی طوفانی موجوں کو اپنا ساحل سمجھتی ہیں اور عملاً یہ ثابت کرتی ہیں کہ واقعی ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اعلان داخلہ

جامعہ ربانیہ معصوم شاہ روڈ ملتان

برادرانِ اسلام! اس وقت ہماری نسل جس تیزی کے ساتھ موجودہ سکولوں اور کالجوں میں اسلام سے دور ہوتی چلی جارہی ہے اس سے ملت اسلامیہ کا ہر بہی خواہ انتہائی مضطر اور پریشان ہے - یہ سب خرابی بعض غیر دیندار اساتذہ کے ہاتھوں غیر اسلامی ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے جس کا واحد حل ایسی درسگاہوں کا قیام ہے جہاں دینی تعلیم کے ساتھ علوم حاضرہ کی تعلیم بھی دی جائے - اور پورے اسلامی ماحول اور دیندار اساتذہ کے ذریعے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے -

الحمد للہ! جامعہ ربانیہ ملتان نے اس اہم وقتی ضرورت کو پورا کر دیا ہے - ادارہ ہذا میں پانچ سال کی مدت میں نہ صرف طلباء کو میٹرک کے لیے تیار کیا جاتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ فارسی - عربی صرف و نحو - عربی ادب - فقہ - اصول فقہ کی بنیادی تعلیم - حدیث (مشکوٰۃ شریف کے بعض حصے) قرآن پاک کا ترجمہ عربی زبان کی متوسط استعداد اور عربی تحریر و تقریر کی قابلیت بھی پیدا کی جارہی ہے -

اللہ کا شکر ہے کہ دو سال میں یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے - اکابرین ملت نے اس ادارے کے متعلق گرانقدر خیالات و آراء کا اظہار فرمایا ہے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی پروفیسر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نزدیک علوم جدیدہ و قدیمہ کی آمیزش معمولی قدم نہیں - وقت کی سب سے اہم خدمت ہے - اس ادارہ کی تشکیل اس سلسلہ کا پہلا قدم ہے -

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ کے نزدیک بلاشبہ یہ مقاصد وقت کی انتہائی ضرورت ہیں - جامعہ ربانیہ نے قدیم و جدید دینی و دنیوی دونوں تعلیموں کو ساتھ چلانے کے لیے اہم قدم اٹھایا ہے -

اسی طرح حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے ادارہ ہذا کے معائنہ کے بعد تعلیمی اور تربیتی دونوں پہلوؤں سے گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے -

ادارہ ہذا اقامتی درسگاہ ہے - جہاں نماز - روزہ اور پوری اسلامی زندگی کی مشق خاص اسلامی فضا اور تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں کرائی جارہی ہے - لہٰذا جملہ ملی درد احساس رکھنے والے اور اپنی نئی نسل کو جامع تعلیم اور دینی تربیت سے آراستہ کرنے کے خواہشمند حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے پرائمری پاس بچوں کو فوراً جامعہ ربانیہ ملتان میں داخل کراکر خدمت کا موقع عنایت فرمائیں - یکم اپریل ۶۹ء سے چھٹی جماعت کا داخلہ شروع ہو جائیگا اس سلسلہ میں فوراً مہتمم جامعہ ربانیہ ملتان سے رجوع فرمائیں -

مدرسہ کی فیس اور دیگر مصارف ثانوی درجہ کے سرکاری مدارس کے معیار کے مطابق ہوں گے - طلبہ کے لئے اسلامی طرز کے لباس اور شکل و صورت کی پابندی ضروری ہوگی - نادار و ذہین طلبہ کے لیے مفت تعلیم اور رہائش و خوراک کا انتظام ہوگا -

ادارہ گورنمنٹ پاکستان ریونیو بورڈ کی طرف سے رجسٹرڈ ہے اور ادارہ کو دیئے جانے والے عطیات ۳۱ر جنوری ۱۹۶۹ء سے انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں -

ناظم جامعہ ربانیہ معصوم شاہ روڈ ملتان

"بیس بڑے مسلمان"

ناظم مکتبہ رشیدیہ نے اطلاع دی ہے کہ "بیس بڑے مسلمان" نامی کتاب یوم آزادی ۱۴ر اگست ۱۹۶۹ء کو بازار میں آجائے گی - اور ۱۴ر اگست کو اس سلسلے میں ایک عظیم تقریب منعقد کی جائے گی - جس میں ملک کے نامور راہنماؤں کو شرکت کی ابھی سے دعوت دی جارہی ہے -

انتقال پُر ملال

۱۲ر ذوالحجہ بروز سوموار ۴ بجے صبح استاد القراء حضرت قاری محمد امیر الدین صاحب قریشی ۴۳ دن کی علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں - مرحوم نے مسلسل بیالیس برس برصغیر ہند و پاک میں قرآن کریم کی تعلیم دی - تقسیم کے بعد آپ نے کہروڑ پکا (ملتان) میں مدرسہ عربیہ حفظ القرآن کی بنیاد رکھی - آپ کے پسماندگان میں دو لڑکے حافظ اور ایک لڑکی حافظ اور ایک بیوہ ہے - قارئین خدام الدین سے استدعا ہے کہ موصوف کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کے لیے صبر اور استقامت کی دعا فرمائیں - (محمد اقبال اختر مدرس جامعہ رشیدیہ ساہیوال)

بچوں کا صفحہ

تاریخِ اسلام کے چند اوراق

تصوّر حسین، بورسٹل سکول بہاولپور

اسلامی عدالت

اسلام میں صیغۂ قضا (عدالت) عہد نبوت ہی میں قائم ہو گیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو یمن کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا تھا تو عدالت کے آئین و اصول بھی اجمالاً بتا دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے خلافت کے دور میں اس صیغہ کو اور بھی مستحکم کر دیا اور مستقل طور پر قاضی مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اس لحاظ سے صیغۂ عدالت باضابطہ طور پر عہدِ فاروقی کی یادگار ہے۔ اور انہی کے دورِ خلافت میں یہ صیغہ عوام میں انصاف قائم کرنے کا موجب ثابت ہوا۔

ذمّہ داری

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص قاضی بنا دیا گیا۔ وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا —— اس حدیث کی بناء پر بعض صحابہ کرام جو بہت زیادہ محتاط تھے۔ وہ سرے سے عہدۂ قضاۃ ہی کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قاضی مقرر کرنا چاہا۔ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن جن صحابہ کو اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار نہ تھا۔ وہ بھی شدّت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے۔ حضرت ابوالدرداؓ شام کے قاضی تھے۔ ایک بار انہوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو لکھا کہ مقدس سرزمین میں تشریف لائیے۔ لیکن حضرت سلمانؓ نے جواب میں لکھا۔ کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی۔ انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کئے گئے ہو۔ اگر لوگ تم سے شفایاب ہوں تو کیا کہنا ورنہ اگر عطائی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں داخل نہ ہونا۔ حضرت ابوالدرداءؓ پر اس خط کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ اور وہ فیصلہ دینے میں بہت زیادہ محتاط ہو گئے۔

انصاف کا تقاضا

ابی بن کعب نے حضرت زید بن حارثؓ کی عدالت میں حضرت امیرالمومنین عمر فاروقؓ پر مقدمہ دائر کر دیا۔ عدالت کی طرف سے طلبی ہوئی۔ جب حضرت عمرؓ عدالت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید بن حارثؓ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ زید! یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ جب تک عمر اور ایک عام آدمی تمہاری نظر میں برابر نہ ہوں۔ تم قاضی کے عہدہ کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

●

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے ہاں ایک شخص آیا اور انہوں نے اس کو کئی دنوں تک مہمان رکھا۔ لیکن ایک روز جب وہ فریقِ مقدمہ بن کر ان کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا۔ اب آپ تشریف لے جایئے۔ ہم فریق کو صرف فریق کے سامنے ٹھہرا سکتے ہیں۔

●

ایک عیسائی نے خلیفہ عبدالملک کے بیٹے ہشام پر دعوےٰ کیا۔ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاضر ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دونوں کو برابر کھڑا کر دیا۔ ہشام کے ذہن میں حکمرانی کا نشہ باقی تھا۔ اس نے اس میں اپنی بے عزتی محسوس کی اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ حالت دیکھی تو ڈانٹ کر کہا:۔

”خبردار! مدعی کے سامنے کھڑے ہو۔ اسلامی عدالت کی نظر میں ایک بادشاہ کا بیٹا اور عیسائی برابر ہیں۔

●

محمد بن ابی عامر قرطبہ سپین کا گورنر تھا۔ اس کے بیٹے نے اپنے باپ کی گورنری کے گھمنڈ میں ایک بچے کو چند بید مارے۔ یہ شکایت گورنر تک پہنچی۔ اس نے بیٹے کو بھری عدالت میں طلب کیا اور بید مارنے والے کو حکم دیا کہ اتنے ہی بید ابھی سب کے سامنے اس کے بیٹے کو اس زور سے لگائے جائیں کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو —— حکم کی تعمیل کی گئی اور نازپروردہ بچہ تاب نہ لا کر وہیں مر گیا۔ فارغ ہو کر وہ گھر گیا تو لاش سے لپٹ کر خوب رویا۔ اس کی ماں نے روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ خود ہی سزا دی ہے اب کس لئے روتے ہو؟ اس نے کہا۔ میں نے یہ سزا بحیثیت حاکم دی۔ وہ میرا فرض تھا۔ اب باپ کی حیثیت سے افسوس اور غم ہے تم بھی صبر کرو۔ حاکم کی نظر میں سب برابر ہونے چاہئیں۔ جو اپنے متعلقین کے ساتھ رعایت روا رکھے گا۔ وہ خدا کے نزدیک کیا منہ دکھلائے گا۔

رشوت ستانی کا سدِباب

حضرت عمرؓ نے جب صیغۂ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کے لئے سخت بندشیں قائم کیں اور تمام حکام کو ایک حکمنامہ بھیجا کہ انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو۔ قریب و بعید میں امتیاز نہ کرو۔ اور رشوت سے بچو۔“ اس کے ساتھ ہی وہ بزرگ جو قاضی کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز تھے۔ ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی مقرر نہ کیا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا۔ اور معزز آدمی کے خلاف فیصلہ دینے میں اس پر کسی کا رعب اثر نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب قاضی شریح کو قضاۃ کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا۔ ”نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو“۔ ہدیہ کی طرف ایک واقعہ سے ان کی توجہ مبذول ہوئی۔ ایک شخص ہر سال حضرت عمرؓ کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ فریقِ مقدمہ ہو کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوا اور کہا۔ اے امیرالمومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے۔ جس

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

۲۸ مارچ

۳۰

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"

LAHORE (PAKISTAN)

ٹیلیفون ۶۷۵۲۵

چیف ایڈیٹر عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمۂ تعلیم

(۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۶-۲۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری DD۹-۲۰۶۷۸/۳۹ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر GM/۴۶-۱۵۳۱۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء
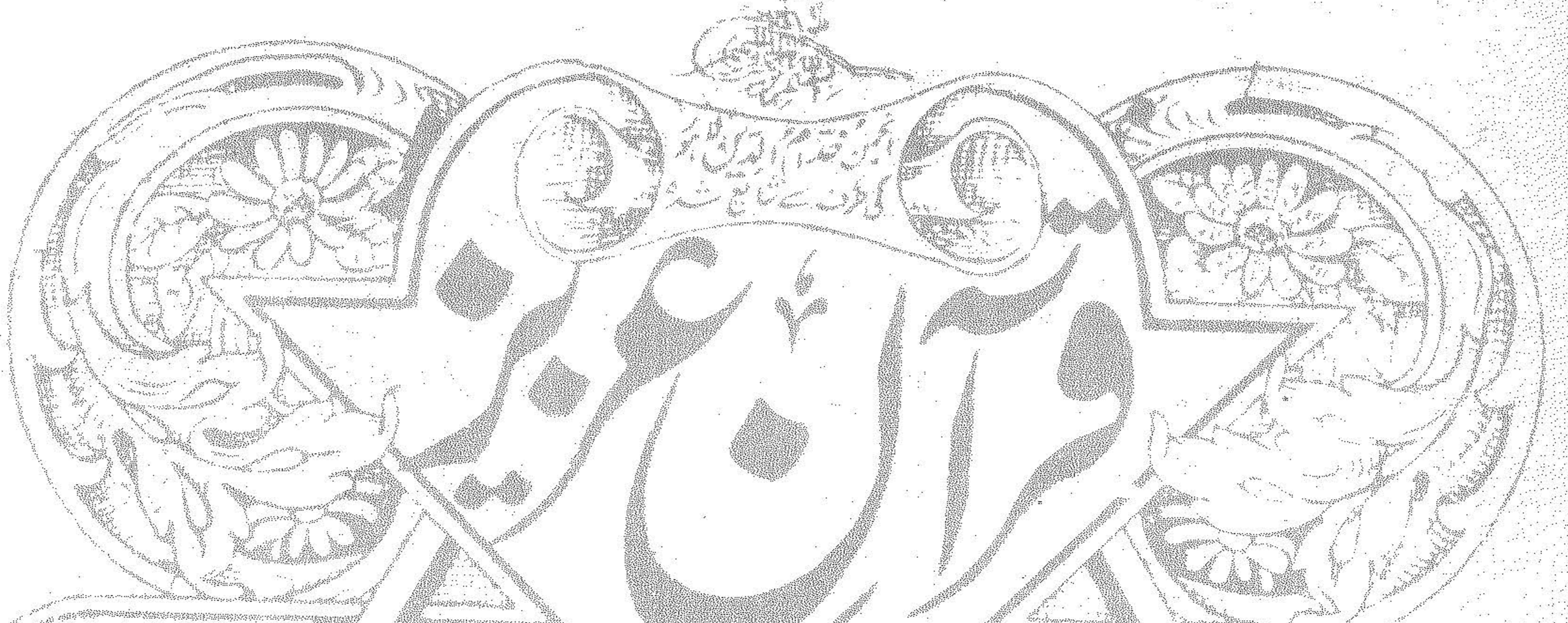
بدل اشتراک ہفت روزہ خدام الدین لاہور

پاکستان اور انڈیا میں سالانہ چندہ	۱۱—۰۰
〃 〃 〃 ششماہی	۶—۰۰
〃 〃 〃 سہ ماہی	۳—۰۰
سعودی عرب بذریعہ ہوائی جہاز سالانہ چندہ	۴۲—۰۰
〃 〃 بحری ڈاک 〃	۱۱—۰۰
〃 〃 ہوائی ڈاک ششماہی	۲۱—۰۰
〃 〃 بحری 〃	۶—۰۰
انگلینڈ بذریعہ ہوائی ڈاک سالانہ	۴۳—۴۰
〃 〃 بحری	۱۸—۸۰

انڈیا کے خریدار اپنا چندہ بحوالہ ماہنامہ "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ ارسال کر کے ڈاک خانہ کی رسید ہمیں ارسال کر دیں۔

(سرکولیشن مینیجر)
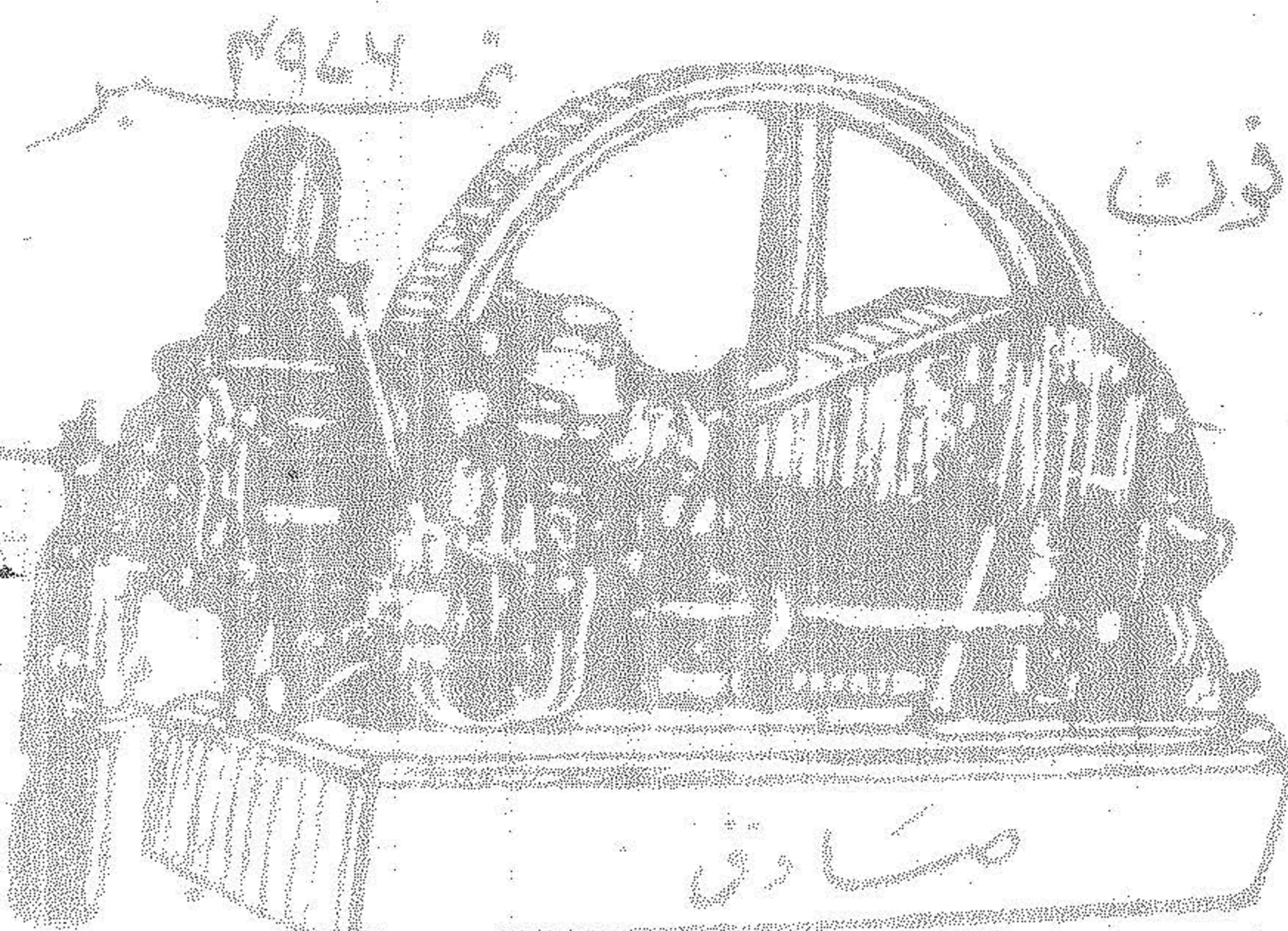
فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا۔